کتاب المعاملات

تجارتی معاملات کے شرعی احکام

مولانا محمد عمران اشرف عثمانی (پی ایچ ڈی)
استاذِ حدیث جامعہ دار العلوم کراچی



مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

کتاب المعاملات

تجارتی معاملات کے شرعی احکام

مولانا محمد عمران اشرف عثمانی (پی ایچ ڈی)
استاذِ حدیث جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

باہتمام : محمد مشتاق قاسمی
طبع جدید : رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ۔ جون ۲۰۱۶ء
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : 92-21-35031565, 35123130
ای میل : info@quranicpublishers.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.ONLINE SHARIAH.com
آن لائن خریداری کے لئے تشریف لائیں۔

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم، کراچی
- ادارۃ المعارف، کراچی
- دارالاشاعت، کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- بیت الکتب، کراچی
- مکتبۃ القرآن، کراچی
- ادارہ اسلامیات، کراچی / لاہور
- بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی
- مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى،
اَمَّا بَعْدُ:

تقریظ

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے۔ اس سے مراد دین کی اتنی باتوں کا علم ہے جو انسان کو اسلامی احکام کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہو۔ مثلاً جو عبادتیں ہر مسلمان پر فرض ہیں ان کا ضروری علم ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔ نیز جو شخص جس شعبۂ زندگی سے وابستہ ہو اس کے لئے اس شعبے کے دینی احکام سے واقفیت فرض عین ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج کل دینی احکام سے ناواقفیت اتنی پھیل گئی ہے کہ لوگوں کو دین کے بارے میں اتنا ضروری علم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس ناواقفیت کو دور کرنے کے لئے میرے بیٹے عزیزم مولانا ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی سلمہ نے ایسے مختصر کتابچے تالیف کئے ہیں جن سے دینی علم کی یہ ضروری مقدار آسانی کے ساتھ حاصل کی جاسکے۔

اس سلسلے میں انہوں نے پہلے "ارکانِ اسلام" کے نام سے ایک مختصر کتاب تالیف کی جس میں طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ الحمدللہ! یہ کتاب شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہے۔

اب ان کی یہ تازہ تالیف "کتاب المعاملات" منظرِ عام پر آرہی ہے جس میں انہوں نے تجارتی معاملات کے شرعی احکام بیان کئے ہیں۔ اسلام نے تجارت اور بالخصوص خرید وفروخت، شرکت اور مضاربت وغیرہ کے جو احکام عطا فرمائے ہیں وہ

بڑے جامع اور معاشرتی بہبود کے لئے نہایت اہم ہیں۔ لیکن ان سے ناواقفیت بہت زیادہ عام ہے۔ عزیز موصوف نے یہ احکام عمدہ ترتیب کے ساتھ آسان اور مختصر الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ یوں تو اس موضوع پر عربی زبان میں ضخیم کتابیں موجود ہیں لیکن اس ناپید اکنار سمندر سے چھنی چھنائی بات نکال کر اسے آسان اور مختصر الفاظ میں بیان کرنا در حقیقت بڑا مشکل کام تھا جو بفضلہٖ تعالیٰ عزیز موصوف نے نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

میں نے یہ کتابچہ اوّل سے آخر تک مکمل دیکھا ہے، اور جہاں ضرورت سمجھی وہاں مشورے بھی دیئے۔ الحمد للہ اسے بہت نافع پایا۔ یہ کتاب عام تاجروں کے بھی کار آمد ہے اور فقہ کے طلبہ کے لئے بھی یہ ایک بہترین یادداشت کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسے سمجھنے اور یاد کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اور جو اصول و احکام اس میں بیان کئے گئے ہیں انہیں ذہن نشین کرنے سے ان شاء اللہ ان کے لئے فقہ کی مفصل کتابوں کو نہ صرف سمجھنا بلکہ ہضم کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو ابتدائی مدارس اور اسلامی اسکولوں میں بھی داخلِ نصاب کیا جائے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافع اور مقبول بنائیں۔ آمین

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۹، جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلام کی بنیادی تعلیمات کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہمارے موجودہ تعلیمی نظام میں اسلام کی تعلیمات صرف فلسفہ کی حد تک پڑھائی جاتی ہیں عملی طور پر جن باتوں کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے وہ بہت کم پڑھائی جاتی ہیں۔ دوسری طرف اگر کوئی طالب علم اگر ان کا علم حاصل کرنا بھی چاہے تو موجودہ دور میں آسان اردو میں مناسب تفصیل کے ساتھ بنیادی علوم حاصل کرنا اور موجودہ دستیاب کتب سے استفادہ کرنا مشکل ہے، کیونکہ زیادہ تر کتب قدیم ہو چکی ہیں یا بعض کتب میں بہت اختصار یا بعض میں موجودہ دور سے متعلق غیر ضروری تفصیل ہے۔ ہمارے دینی مدارس میں ان تعلیمات کا حصول اسلئے آسان ہے کہ وہ اصل عربی متون اور تفصیلی کتب سے دوران تعلیم استفادہ کر کے یہ ضروری علوم حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن میری معلومات کی حد تک اسلامی اسکولوں میں بھی ایسی جامع اور جدید کتابیں دستیاب نہیں ہیں کہ جن میں ضروری تفصیل کے ساتھ طالب علموں کو بنیادی دینی معلومات فراہم کی جائیں۔ بلکہ کچھ تربیت کے نام پر یا اسلامیات کے بعض لیکچرز یا صرف خلاصے (Notes) کی شکل میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمام اسکولوں اور مدارس میں سب

طلبہ کے لیے ایسی آسان کتاب مرتب کرنا بہت ضروری ہے جو اس ضرورت کو پورا کر سکے۔ اور اسa میں عقاید، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق اور شریعت کے حلال و حرام کی تمام بنیادیں معلومات موجود ہوں۔

اس مقصد کے لیے احقر نے حضرت والد ماجد مد ظلہم کے مشورہ اور ہدایت سے ارکان اسلام کتاب مرتب کی جسمیں عقاید و طہارت، صلاۃ، زکاۃ، روزہ اور حج و قربانی وغیرہ کے بنیادی احکام موجود ہیں، اور اب معاملات سے متعلق ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں خرید و فروخت، کرایہ داری، شرکت و مضاربت اور دوسرے معاملات کو آسان انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ الحمد للہ یہ کتاب بھی حضرت والد ماجد مد ظلہم کی نظر سے گذر چکی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب المعاملات بھی قارئین کے لیے انشاءاللہ مفید ہوگی، اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور بندہ کے لیے فلاح دارین کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بن جائے۔ آمین یارب العالمین۔ والسلام

محمد عمران اشرف عثمانی

فہرست عنوانات

تمہید

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ"(۱)

یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دین اسلام اس بات کی ترغیب نہیں دیتا کہ انسان راہبوں کی طرح دنیا ترک کرکے اور سب سے علیحدہ ہو کر صرف عبادت ہی کرتا رہے۔ انسان کی پیدائش کا اگرچہ مقصد عبادت ہے، لیکن عبادت اس طریقے پر جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کے مطابق ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اسلام پانچ بنیادی ارکان کا مجموعہ ہے، اور وہ پانچ ارکان یہ ہیں:

۱۔ عقائد

۲۔ عبادات

۳۔ معاملات

۴۔ معاشرت اور

۵۔ اخلاق

---

(۱) مصنف عبد الرزاق ج۸ ص ٤٤٨ حديث ١٥٨٦٠ طبع المكتب الإسلامي بيروت.

اس لئے اگر کوئی شخص صرف عبادت کرتا ہو اور پنج وقتہ نمازی ہو، لیکن اس کے معاملات صحیح نہ ہوں، مثلاً معاملات میں دھوکہ دہی، جھوٹ، رشوت ستانی، سود خوری اور حرام خوری وغیرہ میں ملوث ہو تو وہ مکمل طور پر مسلمان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص معاشرتی حقوق کی صحیح ادائیگی نہ کرے تو وہ بھی صحیح اور کامل مسلمان نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں مومنوں کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً "(۱)

یعنی: اے مومنو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب صرف مومنوں کو ہے، کافروں کو یا مطلقاً تمام انسانوں کو نہیں، یعنی مومنوں کو چاہیئے کہ وہ اسلام پر پوری طرح عمل پیرا ہوں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اسلام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مذکورہ بالا پانچوں پہلوؤں پر غور اور عمل کرنا ہوگا، اس سلسلے میں اس موضوع پر ایک مفید کتاب ہم سب کو مطالعے میں رکھنی چاہئے، اور وہ ہے اسوہ رسول اکرم (مولفہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ) ہے۔

معاملات میں تجارت بھی شامل ہے

اسلام کے مذکورہ پانچ ارکان میں سے ایک رکن معاملات ہے، جس میں تجارت بھی شامل ہے، قرآن وحدیث کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر تجارت اور حلال کمائی اچھی نیت اور جائز طریقے سے کی جائے تو یہ نہ صرف جائز عمل

(۱) سورة البقرة :۲۰۸

ہے بلکہ ایک افضل عبادت بھی ہے، اور اگر تجارت غلط نیت یا ناجائز طریقے سے کی جائے تو اس طرح کمایا ہوا مال انسان کے لئے وبال، فتنہ اور دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مال کے لئے دو مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ بعض جگہ اسے دشمن، فتنہ اور خبیث قرار دیا گیا ہے[۱]، اور دوسری جگہ اسے "اللہ تعالٰی کا فضل "رزق" اور "طیبات" یعنی اچھی چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔[۲]

قرآن میں تضاد نہیں ہے

قرآن و حدیث کے مطالعے سے ناواقف ایک عام آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ العیاذ باللہ قرآن و حدیث میں تناقض اور تضاد ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں قسم کی اصطلاحات دو مختلف حالتوں پر مبنی ہیں اگر مال اچھی نیت سے اور حلال طریقے سے کمایا جائے تو یہ اللہ کا فضل اور ثواب کا باعث ہے، ورنہ یہ فتنہ اور عذاب کا سبب ہے۔ اچھی نیت کا مطلب یہ ہے کہ مال کماتے وقت دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہو، اور حلال کمائی کا مقصد اپنے بیوی بچوں، والدین اور مستحقین کے حقوق کی ادائیگی ہو۔ اور اگر انسان کو خدا کا خوف اور فکرِ آخرت نہ ہو اور اس کے دل و دماغ میں صرف پیسہ کمانے کی دھن ہو، تو وہ مادہ پرست (Materialistic) شخص ہے، یہ اندازِ فکر کسی سچے مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) سورة الأنفال آیت ۲۸ وسورة التغابن آیت ۱۵

(۲) سورة البقرة آیت ۶۰ وسورة الجمعة آیت ۱۰

حلال طریقے کا مطلب اور حلال کمانے والے کی فضیلت

حلال طریقے کا مطلب یہ ہے کہ ان طریقوں سے مال کمایا جائے جو اسلام کے بتلائے ہوئے جائز طریقے ہوں اور ہر ناجائز طریقے سے مکمل پرہیز کیا جائے۔ لہٰذا اس طرح کے مال کمانے والے اللہ کے محبوب ہیں انہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ[1] (کمانے والا اللہ کا محبوب ہے)، اور حدیث میں ہے کہ ایسے تاجروں کا حشر قیامت کے روز انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا[2]۔ اسی طرح دوسری بعض احادیث سے تجارت کے مختلف اقسام کی فضیلت وارد ہوئی ہے، مثلاً شرکت (پارٹنر شپ) کے بارے میں بعض احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"أَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَا لَمْ یَخُنْ أَحَدُهُمَا"[3]

یعنی میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا شریک بن جاتا ہوں

جب تک ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں فرمایا:

"یَدُاللّٰہِ عَلَی الشُّرَکَاءِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا"[4]

---

(١) تنبيه الغافلين لأبي الليث السمرقندي (ص: ٤٢٨)

(٢) سنن الترمذي ج٣ ص ٥٠٧ حديث ١٢٠٩ طبع شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي- مصر

(٣) سنن أبي داود ج٣ ص ٢٥٦ حديث ٣٣٨٣ طبع المكتبة العصرية صيدا بيروت

(٤) سنن الدارقطني ج ٣ ص ٤٤٢ حديث ٢٩٣٤ طبع موسسة الرسالة بيروت

اللہ تعالیٰ کی مدد شرکاء کے ساتھ ہوتی ہے جب تک ان میں
کوئی خیانت نہ کرے۔

مال بچت کرنے کی فضیلت

اسی طرح اپنے مال کی بچت کرنے کی بھی حدیث میں فضیلت آئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّكَ إِنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ"(۱)

یعنی اگر تم اپنے ورثاء کو مال دار حالت میں چھوڑو تو یہ اس صورت سے بہت بہتر ہے کہ تم انہیں اس طرح چھوڑ کر جاؤ کہ وہ محتاج اور دوسروں کے دست نگر ہوں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ انسان اپنے ورثاء کو مال دار اسی حالت میں چھوڑ کر جا سکتا ہے جب کہ اس نے اپنے مال کی بچت کر رکھی ہو۔ اسی طرح اپنے مال کو یونہی بیکار چھوڑنا اور اسے کسی سرمایہ کاری (Investment) میں نہ لگانا بھی غلط ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

"أَلَا مَنْ وَلِّيَ يَتِيْمًا وَلَه مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْ مَالِه لِكَيْلَا تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ"(۲)

---

(۱) صحيح البخاري ج ۲ ص ۸۱ حديث ۱۲۹۵ طبع دار طوق النجاة

(۲) سنن الترمذي ج ۳ ص ۲۳ حديث ٦٤١ طبع شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر

اگر تم میں سے کوئی کسی یتیم (اور دوسری روایت کے مطابق کسی بیوہ عورت کا) نگہبان (ولی) ہو، تو اسے چاہئے کہ اس کے مال کو تجارت میں لگا دے تاکہ اسے صدقہ نہ کھا جائے۔

یعنی وہ مال ہر سال زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے کرتے کم ہو جائے گا۔
خلاصہ یہ کہ حلال طریقے سے تجارت کرنے کی کافی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

حرام کمائی کی مذمت

اس کے برخلاف حرام طریقے سے دولت کمانے کی سخت مذمت اور حرمت آئی ہے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:

"أَيُّمَا جَسَدٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ"(1)

یعنی جسم کا جو حصہ حرام سے پرورش پایا ہو وہ جہنم کی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آتا ہے کہ انسان کے قدم قیامت کے روز اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے یہ سوال نہ کر لیا جائے کہ اس نے دولت کہاں سے کمائی اور کہاں خرچ کی (2)۔ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم

(1) حلية الأولياء ج ١ ص ٣١ طبع دار الكتاب العربي بيروت اور مستدرك حاكم ج ٤ ص ١٤١ حديث ٧١٦٤ طبع دار الكتب العلمية بيروت

(2) سنن الترمذي ج٤ ص ٦١٢ حديث ٢٤١٦

ہوتا ہے بعض اوقات انسان کی دعا قبول نہ ہونے کی ایک وجہ حرام روزی ہوتی ہے[1]۔ ان تمام احادیث کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ اسلام اپنے تجارتی معاملات اور کسبِ حلال کو کتنی اہمیت دیتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ ہر حرام قسم کی تجارت سے پرہیز کرے۔

مال و دولت کس کی ملکیت ہے؟

جو کچھ ہم مال کماتے ہیں اس کا حقیقی مالک کون ہے؟ انسان، ریاست، یا اللہ تعالیٰ۔ اس سلسلے میں تین مختلف نظریے ہیں۔

۱۔ نظریہ راسمالیت یا سرمایہ داری۔ (Capitalism)

۲۔ نظریہ اشتراکیت۔ (Commiunism / Socialism)

۳۔ اسلامی معیشت (Islamic Economy)

نظریہ راسمالیت

نظریہ راسمالیت یہ کہتا ہے کہ مال و دولت دراصل انسان کی ملکیت ہے، وہی اسے اپنی محنت سے کماتا ہے لہٰذا اسے اختیار ہے کہ اسے جس طرح کمائے اور خرچ کرے۔

نظریہ اشتراکیت

نظریہ اشتراکیت یہ کہتا ہے کہ مال و دولت ریاست کی ملکیت ہے لہٰذا اسے ہی یہ اختیار ہے کہ وہ اسے جس طرح چاہے خرچ یا تقسیم کرے۔

---

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۰۳ حدیث ۱۰۱۵ طبع دار إحیاء التراث العربي بیروت

نظریہ اسلام

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال و دولت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اور اس نے انسان کو ایک خاص مدت تک استعمال کے لئے عطا فرمایا ہے۔ قرآن کریم نے اس بات کو متعدد بار مختلف انداز سے ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

"وَآتُوْهُمْ مِنْ مَّالِ اللهِ الَّذِيْ آتَاكُمْ"(۱)

یعنی تم اپنے اس مال سے جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے، مستحقین کو دیا کرو۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

"وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰكَ اللهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ"(۲)

یعنی جو مال اللہ نے تمہیں دیا اس سے آخرت کا گھر تلاش کرو۔

بعض اوقات انسان جو خیال کرتا ہے کہ انسان نے از خود اپنی محنت سے مال کمایا ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے انسان کا کام صرف محنت کرنا ہے، لیکن اسکی محنت کو ثمر آور بار آور کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اسی طرح قرآن کریم میں اشارہ فرمایا ہے:

"أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَه أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ"(۳)

---

(۱) سورة النور آیت ۳۳

(۲) سورة القصص آیت ۷۷

(۳) سورة الواقعة آیت ٦٣،٦٤

یعنی ذرا یہ بتاؤ کہ جو چیز تم کاشت کرتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اسے اگاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تمہارا کام بیج ڈال کر اس پر کاشت کاری کرنا ہے، لیکن اس کاشت کو پروان چڑھا کر ثمر آور بنانا اور پیداوار کو وجود میں لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، یہ انسان کے بس سے باہر ہے، اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو انسان کتنی ہی محنت کر لے، وہ بارآور نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اس نے انسان کو ایک خاص مدت تک استعمال کرنے کے لئے دیا ہے، لہٰذا اس کو یہ کلی اختیار ہے کہ وہ انسان کو اس بات کا پابند بنائے کہ اس کو کس طرح کمایا جائے اور کس طرح خرچ کیا جائے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کو اپنی گاڑی استعمال کے لئے دیں اور اسے پابند کریں، کہ اسے اس طرح استعمال کرنا، فلاں سامان اس پر مت لادنا، ٹریفک قوانین کے مطابق چلانا، وغیرہ وغیرہ۔ اس لحاظ سے اگر شرعی قوانین کا جائزہ لیا جائے، تو اسلام مالی معاملات میں تین قسم کی پابندیاں عائد کرتا ہے:

ا۔ خدائی پابندی

اس سے مراد وہ تجارتی معاملات ہیں جنہیں انجام دینا شرعاً ناجائز ہے، مثلاً ربا (سود) میسر یا قمار (جوا یا سٹہ بازی) غرر دھوکہ دہی یا ایسے مبہم معاملات جو باعث نزاع ہوسکتے ہوں وغیرہ۔

۲۔ قانونی پابندی

ان سے مراد وہ معاملات ہیں جو اگرچہ اسلامی شریعت کے لحاظ سے اصلاً جائز ہوں، مگر حکومتِ وقت نے کسی خاص مصلحت و ضرورت کے پیشِ نظر انہیں ممنوع قرار دیدیا ہو، مثلاً اگر کبھی ہیضے کی وبا پھیل جائے، اور حکومت خربوزے کی خرید و فروخت بند کردے تو اس کی تجارت شرعاً بھی ناجائز ہوگی۔

مادہ پرست (Materialistic) شخص جس کا مقصد صرف پیسہ کا حصول ہو اور اس کو حقوق العباد حقوق اللہ اور فکرِ آخرت نہ ہو تو وہ شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرے گا، اور کہے گا کہ دین اور دنیا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، دین کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم آزاد ہیں جیسے چاہیں کمائیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں، تمہارا دین، مذہب اور شریعت ہمیں کسی مخصوص تجارت سے نہیں روک سکتا۔ یہی وہ اندازِ فکر تھا جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ظاہر کیا تھا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ قرآن کریم نے ان کے اسے انداز فکر پر تنقید کرتے ہوئے اسے اس طرح نقل فرمایا ہے:

"أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ"(۱)

یعنی کیا تمہاری نماز اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباء کے معبودوں کو اور اپنی حسبِ منشا تجارت کو چھوڑ دیں۔

---

(۱) سورة هود آيت ٨٦

یعنی ہمیں ہمارے تجارتی معاملات میں آزاد چھوڑ دو، اور اس میں مداخلت کرکے پابندیاں مت کرو۔یہی اندازِ فکر دراصل سرمایہ درانہ نظام کی اصل جڑ ہے، کیونکہ وہ مال کو دراصل اپنا مال اور اپنی ملکیت سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے "أموالنا" (ہمارے مال) کا لفظ استعمال کیا، جبکہ قرآن کریم نے سورہ نور میں "أموالنا" (ہمارے مال) کو "مال اللہ" (اللہ کا مال) سے بدل کر دراصل سرمایہ درانہ نظام کی جڑ کاٹ ڈالی اور پھر یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا مال اس نے تمہیں دیا ہے، جسے "الذی آتاکم" (جس نے تمہیں دیا) سے تعبیر کرکے نظریہ اشتراکیت کی بھی تردید کردی کہ دراصل اللہ تعالی نے اپنا مال تمہیں ایک خاص مدت تک استعمال کے لئے دیا ہے، لہٰذا تم اس کی قضاء و قدر کے مطابق عارضی طور پر مالک ہو نہ کہ ریاست یا حکومت مالک ہے اور نہ ہی تم اس کے مالک اصلی اور دائمی مالک ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ سرمایہ داری نظریہ آزاد اور خود مختار انفرادی ملکیت کا قائل ہے، جبکہ نظریہ اشتراکیت انفرادی ملکیت کا انکار کرتا ہے۔اور اسلام ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے، یعنی انفرادی ملکیت کو ایک خاص حد اور مدت تک تسلیم کرتا ہے اسے اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ اس سے زمین میں فساد پھیلے۔

۳۔اخلاقی پابندی

اس سے مراد وہ معاملات ہیں جو کسی اخلاقی قباحت کی وجہ سے ممنوع ہوں، مثلاً ایسا ساز و سامان فروخت کرنا جو اخلاقی تنزل کا سبب بن سکتا ہو۔

تقسیم دولت کے مقاصد

بنیادی طور پر اگر شریعت اسلامیہ کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو ہمیں معیشت کے درج ذیل تین مقاصد نظر آتے ہیں:۔

(الف) ایک قابل عمل اور فطری نظامِ معیشت کا قیام

اگر تعلیمات اسلامی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ اسلامی تعلیمات تقسیم دولت کا ایک فطری اور قابلِ عمل نظام نافذ کرنا چاھتی ہیں، جس میں کسی پر جبر و تشدد نہ ہو، ہر شخص اور ہر چیز کو اس کی استعداد، طلب، مہارت اور محنت کی بنیاد پر معاوضہ ملے، اجیر و مستاجر کا صحت مند رشتہ قائم ہو، طلب ورسد کی قوتیں فطری طور کام کر رہے ہوں۔

اسی بات کی طرف قرآن کریم کے درج ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ"(۱)

یعنی ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیاوی زندگی میں تقسیم کیا ہے، اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات

(۱) سورۃ الزخرف آیت ۳۲

کے اعتبار سے فوقیت دی ہے، تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔

(ب) حق دار کو حق پہنچانا

اسلام کے نظام تقسیم دولت کا ایک مقصد یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق مل جائے، لیکن اسلام میں مستحقین دولت کا معیار دوسرے نظریات سے مختلف ہے، روایتی معاشیات (Conventional Economi) میں مستحقین دولت صرف عوامل پیدائش (Factors of Production) ہیں، جبکہ اسلام میں صرف عوام پیداوار ہے مستحق نہیں بلکہ غربا و مساکین اور مستحقین زکوۃ و صدقات بھی دولت کی حقدار ہیں۔ قرآن کریم نے اسے طرف اشارہ فرمایا:

"فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"(۱)

یعنی ان کے مالوں میں ایک متعین حق سائل اور محروم لوگوں کا ہے۔

(ج) ارتکازِ دولت کا خاتمہ

تعلیمات اسلامی اس بات پر شاہد ہیں کہ اسلام دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کی ممانعت کرتا ہے۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیت یہی بات ثابت کرتی ہے:

"كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ"(۲)

---

(۱) سورۃ الذاریات آیت ۱۹

(۲) سورۃ الحشر آیت ۷

یعنی تاکہ تمہاری دولت صرف تمہاری مالداروں کے ہاتھوں

میں مرتکز نہ ہو جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام نے دولت کے اولین ماخذ (Natural Resources) مثلاً دریا، سمندر، جنگل، کانیں، غیر مملوک زمین وغیرہ، پر کسی کو پہرہ لگانے کی اجازت نہیں دی، اور ہر ایک کو ان سے استفادہ کا اختیار دیا، اور وہ تجارتیں جو دولت کے ارتکاز کا سبب بن سکتی تھیں، ان کی ممانعت کر دی مثلاً ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، قمار، سود خوری وغیرہ۔

عوامل پیدائش کیا ہیں؟

اسلام کے نزدیک دولت کی اولین مستحق عوامل پیدائش (Factors of production) ہیں اور ثانوی مستحق غرباء و مساکین اور مستحقین زکواۃ و صدقات وخیرات ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام بھی دولت کا استحقاق عوامل پیدائش کو عطا کرتا ہے، البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں بھی وہی عوامل پیدائش ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام میں ہیں؟ یا اس میں کچھ فرق ہے؟ اور ان عوامل پیدائش کو ملنے والا معاوضہ بھی وہی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں ہے یا اس میں کچھ فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں عوامل پیدائش اگرچہ وہی ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام میں بھی ہیں یعنی سرمایہ (Capital) زمین (Land) محنت (Labour) اور آجر یا تنظیم (Entreprenur) تاہم انکی تعریفیں اور ان کے ملنے والے معاوضے سرمایہ

کرتا صرف رب المال(Investor)یا سرمایہ کار کے سرمائے سے تجارت کرتا ہے دارانہ نظام سے مختلف ہیں۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ(Capital) سے مراد انسان کی تخلیق کردہ ذرائع پیداوار مثلاً کرنسی نوٹ، روپے اور سکّے وغیرہ ہیں، اور اس کا معاوضہ سود ہوتا ہے۔ اسلام میں سرمایہ سے مراد تمام اموال ربوی ہیں یعنی وہ اشیاء جن سے تجارت کرنے سے ربا کی کسی قسم میں داخل ہو سکتے ہوں، ان کا معاوضہ حقیقی نفع ہو سکتا ہے، تاہم اگر نفع نہ ہو تو اصل سرمایہ میں کمی بھی ہو سکتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں زمین سے مراد صرف قدرتی ذرائع(Natural Resources)ہیں اور اس کا معاوضہ اجرت یا کرایہ(Rent) ہے، جبکہ اسلام میں اس سے مراد تمام غیر اموال ربوی اور غیر صرفی (Non Consumable Items)ہیں، اور ان کا معاوضہ متعین نفع یا غیر صرفی اشیاء(Non Consuable) کی صورت میں کرایہ بھی ہو سکتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں محنت(Labour) کو اجرت (Wages) اور تنظیم (Entreprenur) کو نفع کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، جبکہ اسلام میں محنت(Labour)کو اجرت ملتی ہے، البتہ تنظیم یا آجر(Entrepreneur)کو اجرت بھی مل سکتی ہے اور وہ نفع میں بھی شریک ہو سکتا ہے، یعنی محنت خواہ جسمانی محنت ہو یا دماغی محنت (Exertion Mental) جسکے ذریعے آجر (Entreprenur)، بقیہ عوامل پیدائش یعنی سرمایہ، زمین اور جسمانی محنت کو استعمال کر کے نفع کماتا ہے، لہٰذا وہ مختلف معاہدوں(Contracts) کے مطابق حقیقی نفع یا متعین اجرت کا مستحق بن سکتا ہے، مثلاً مضارب جو خود سرمایہ کاری نہیں

وہ حقیقی نفع میں شریک ہوتا ہے، اور اگر وہ یہی کام مخصوص اجرت یا تنخواہ لے کر کرنا چاہے تو اس حساب سے معاہدہ کر کے متعین اجرت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

اصطلاحات

۱۔ عقد (Contract) جب دو انسان آپس میں لین دین کا کوئی معاملہ کرتے ہیں تو اس معاملہ کو عقد کہتے ہیں:

۲۔ مجلسِ عقد (Place of Contract) جس جگہ کوئی عقد کیا جائے۔

۳۔ عاقد (Contractor) عقد کرنے والا، اور جو دو اشخاص آپس میں کوئی عقد کرتے ہیں، ان کو "عاقدین" کہا جاتا ہے۔ انکو "متعاقدین" بھی کہتے ہیں۔

۴۔ عقدِ بیع (Sale Contract) خرید و فروخت کا عقد

۵۔ بائع (Seller) بیچنے والا

۶۔ مشتری (Buyer) خریدنے والا

۷۔ مبیع (Subject matter of Sale) جو چیز فروخت کی جائے

۸۔ ثمن (Agreed Price) جو قیمت باہم طے کی جائے۔

۹۔ قیمت (Rate) بازاری قیمت

۱۰۔ مالِ متقوّم (Valuable) وہ مال جس کی عرف یا شریعت میں مالیت یا قیمت ہو۔

۱۱۔ ایجاب(Offer) آفر، یا پیشکش جو معاملہ کرتے وقت کی جائے۔

۱۲۔ قبول(Accept) پیشکش کے بعد دوسرے شخص کی طرف سے رضامندی کا اظہار

بیع (sale) کی تعریف

"ایک مال کا دوسرے مال کے عوض تبادلہ کرنا"[۱] یا کسی چیز کو زر یا پیسے کے عوض فروخت کیا جائے۔ عموماً لفظِ بیع اسی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بیع کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

۱۔ بیع مقایضہ (Barter Sale) ایک چیز کو پیسوں کے بجائے کسی دوسری چیز کے عوض فروخت کیا جائے۔ مثلاً گندم کو کپڑے کے بدلے فروخت کیا جائے۔[۲]

۲۔ بیع سلم (Sale on advance payment) زر نقد پیشگی دیکر اسکے بدلے مستقبل کی کسی مقررہ تاریخ پر سامان لینے کا معاملہ کرنا۔ مثلاً کسی کسان کو ایک ہزار روپے دیکر کہا جائے کہ اسکے بدلے وہ تین مہینے کے بعد ایک من گندم ادا کریگا۔[۳]

---

(۱) بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۱۳۳ طبع دار الکتب العلمیة بیروت

(۲) البحر الرائق جلد ۵ ص ۲۸۲ طبع دار الکتاب الإسلامي

(۳) البحر الرائق [illegible]

۳۔ بیع صرف (Exchange of money) نقد زر کیا نقد زر کے عوض تبادلہ کرنا جیسے سونے کے بدلے چاندی خریدنا۔[1]

۴۔ بیع مساومہ (Bargaining Sale) کسی چیز کو باہمی رضامندی سے کسی قیمت پر اس طرح بیچنا کہ اُس میں یہ بات طے نہ ہو کہ بیچنے والے کی لاگت کتنی آئی تھی، اور اُس نے اپنے لئے کتنا نفع رکھا ہے۔ عام طور سے بازار میں جو خرید وفروخت ہوتی ہے، وہ اسی قسم کی ہوتی ہے، کیونکہ بائع اپنی قیمت خرید یا لاگت بیان نہیں کرتا، نہ اسکی بنیاد پر خریداری ہوتی ہے، بلکہ دونوں باہمی رضامندی سے ایک قیمت پر متفق ہو جاتے ہیں۔[2]

۵۔ بیع مرابحہ (Sale on cost plus) کسی چیز کو اس طرح بیچنا کہ بیچنے والے اور خریدار کے درمیان یہ بات طے ہو کہ بائع اپنی قیمتِ خرید یا لاگت پر کتنا نفع رکھ کر اُسے فروخت کریگا۔ مثلاً بائع یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا اپنی لاگت پر دس فی صد نفع رکھ کر بیچوں گا۔[3]

۶۔ بیع تولیہ (Sale at Cost) چیز کی قیمت خرید یا لاگت بیان کر کے اسی قیمت یا لاگت کے عوض چیز کو فروخت کرنا۔[4]

---

(۱) بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۲۱۵ و البحر الرائق جلد ٦ ص ۲۰۹

(۲) الفتاوی الهندیة جلد ۳ ص ۳ طبع دار الفکر

(۳) بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۲۲۰

(٤) بدائع الصنائع جلد ٦ ص ۱۱٦

۷۔ بیع وضیعہ: چیز کی قیمت خرید یا لاگت بیان کر کے اسے قیمت خرید یا لاگت سے کم میں فروخت کرنا۔[۱]

عقد (Contract)

کسی شخص کے ساتھ کسی بات کا التزام (Commitment) کرنے کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وعدہ

۲۔ معاہدہ

۳۔ عقد

اگر کوئی کسی بات کو اپنے اوپر لازم کر لے تو وہ التزام (Promise/undertaking) یکطرفہ ہو تو وہ فقہی اصطلاح میں وعد یا وعدہ (promise) اور اگر دو طرفہ وعدہ ہو تو اسے فقہی اصطلاح میں معاہدہ یا مواعدہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے یکطرفہ بیچنے کا وعدہ کیا اور دوسرے نے خریدنے کا وعدہ نہیں کیا تو یہ وعدہ کہلائے گا اور اگر دوسرے شخص نے خریدنے کا وعدہ کر لیا تو یہ معاہدہ کہلائے گا۔ اور پھر اگر دونوں نے اس کے مطابق مقررہ وقت پر خرید و فروخت سر انجام دیدی تو یہ عقد کہلائے گا۔

عقد کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) عقدِ معاوضہ اور (۲) عقد غیر معاوضہ یا عقد تبرع۔

---

(۱) البحر الرائق جلد ۵ ص ۲۲۸

عقدِ معاوضہ کی مثال خرید و فروخت کا عقد یا کرایہ داری کا عقد اور عقد غیر معاوضہ کی مثال قرضہ کا عقد۔

عقد معاوضہ کے ارکان

عقد معاوضہ کے اندر چار ارکان ہوتے ہیں:

۱۔ ایجاب وقبول (Offer and Accept)

۲۔ عاقدین (Parties of contract)

۳۔ معقود علیہ (Subject of Contract)

۴۔ معاوضہ یا عوض (Consideration)

عقد معاوضہ اور عقد غیر معاوضہ میں فرق

عقدِ غیر معاوضہ میں معاوضہ یا عوض نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ عقد شرعا اور قانونا لازم نہیں ہوتا۔ البتہ عقدِ معاوضہ شرعا اور قانونا لازم ہوتا ہے۔ ایک فرق عقد معاوضہ اور عقد غیر معاوضہ میں یہ ہے کہ عقد غیر معاوضہ میں اگر کوئی شرط فاسد لگا دی تو وہ از خود ختم (void) ہو جاتی ہے جبکہ عقدِ معاوضہ میں شرطِ فاسد لگانے سے عقد ہی فاسد ہو جاتا ہے۔

شرط فاسد

شرطِ فاسد اس شرط کو کہتے ہیں جو شرط عقد کے مقتضیٰ (Requirement) کے خلاف ہو اور وہ شرط عاقدین میں سے کسی ایک کے نفع میں

ہو اور وہ شرط لوگوں میں مستعمل اور معروف نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی یہ شرط لگائے کہ میں اس شرط پر یہ گاڑی فروخت کرتا ہوں کہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو اس کو میں استعمال کیا کروں گا۔

عقدِ بیع کے ارکان

بیع کے ارکان سے مراد وہ ضروری باتیں ہیں جنکے بغیر کوئی بیع صحیح نہیں ہو سکتی۔ یہ ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ ایجاب و قبول (Offer & Acceptance)

بیع بائع اور مشتری (خریدار) کے درمیان ایجاب (Offer) اور قبول (Acceptance) سے انجام پاتی ہے۔"ایجاب" یہ ہے کہ کوئی شخص فروخت کرنے یا خریدنے کی پیشکش کرے۔ اور قبول یہ ہے کہ دوسرا اس پیشکش کو قبول کرلے۔ ایجاب کے بعد دوسرے شخص کو قبول کا اختیار اس مجلس کے آخر تک رہتا ہے جس مجلس میں ایجاب کیا گیا تھا۔ اگر ایک شخص نے ایجاب کیا، اور دوسرے نے اُسی مجلس میں قبول نہ کیا تو وہ بیع نہیں ہوئی۔ اگر مجلس کے بعد بیع کرنا مقصود ہو تو از سرِ نو ایجاب و قبول ہونا چاہیے۔ ایجاب و قبول کے مکمل ہونے سے پہلے فریقین میں سے ہر فریق کو اختیار ہے کہ وہ بیع کو مکمل نہ کرے، یعنی ایجاب کرنے والے کو حق ہے کہ وہ اپنا ایجاب واپس لے لے اور قبول کرنے والے کو حق ہے کہ وہ قبول نہ کرے۔[1]

---

(١) الهداية للمرغيناني ج٣ ص ٢٤ و ٢٤. طبع مكتبة رشيدية كوئته

اگر ایجاب و قبول بذریعہ خط یا ای میل ہو، تب بھی اسی مجلس کا اعتبار کیا جائے گا جس میں خط یا ای میل موصول ہوئے۔[1]

ایجاب و قبول کے درست ہونے کیلئے شرعاً مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں:

۱۔ ایجاب و قبول کے الفاظ ایسے ہونے چاہئیں جو یہ بات ظاہر کریں کہ سودا مکمل ہوگیا۔ مثلاً بائع یہ کہے کہ "میں نے فلاں چیز تمہیں بیچ دی" اور خریدار یہ کہے کہ "میں نے خرید لی" اگر ایک نے کہا کہ "خریدونگا" اور دوسرے نے کہا "بیچوں گا" تو یہ محض وعدہ ہے، ان الفاظ سے بیع نہیں ہوتی۔

۲۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ عقدِ بیع کسی آئندہ تاریخ کے آنے پر یا کسی آئندہ ہونے والے واقعے پر معلق نہ ہو، بلکہ اسی وقت نافذ ہو جائے۔ لہٰذا مستقبل کے سودے (Future & Forward Sale) جن میں آئندہ کی کسی تاریخ پر ابھی سے سودا کر لیا جاتا ہے، وہ ناجائز ہیں۔

۳۔ اسی طرح ایجاب و قبول کے درست ہونے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز پر ایجاب ہوا ہے، اسی چیز کو قبول کیا جائے۔ اگر کسی نے ایک قسم کا کپڑا متعین طور پر بیچنے کیلئے ایجاب کیا، اور خریدار نے کسی اور قسم کے کپڑے کو قبول کر لیا تو ایجاب و قبول درست نہیں ہوا۔

عملی ایجاب اور قبول

ایجاب اور قبول جس طرح الفاظ سے ہوتا ہے، اسی طرح عملی طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر ایجاب و قبول کے الفاظ زبان سے ادا کیے بغیر باہمی رضامندی

---

(۱) فقه البيوع: ج ۱ ص ۳۹ و ٤٤ طبع مكتبه معارف القرآن

سے کسی چیز کا لین دین کر لیا، یعنی خریدار نے پیسے دیدیے، اور بائع نے چیز خریدار کے حوالے کر دی، تب بھی بیع ہو جائے گی۔ اور اسے "بیع تعاطی" کہا جاتا ہے۔[1]

۲۔ عاقدین (Parties to the Contract)

بیع کا دوسرا رکن عاقدین ہیں (Parties to the Contract) بیچنے والے کو بائع (Seller) کہا جاتا ہے جبکہ خریدنے والے کو مشتری (Buyer) کہتے ہیں۔ انکے لیے شرط یہ ہے کہ یہ عاقل و بالغ ہونے چاہئیں یا اتنا بڑا بچہ بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے جسے خرید و فروخت کی تمیز ہو۔[2]

۳۔ ثمن (Price)

تیسرا رکن ثمن (Price) ہے: جو قیمت عاقدین کے درمیان طے ہو، اسے "ثمن" کہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی مال ہو۔ لہٰذا کوئی بے قیمت چیز ثمن نہیں بن سکتی۔ اسی طرح بغیر ثمن ذکر کیے کوئی بیع نہیں ہو سکتی۔[3]

۴۔ مبیع (Subject matter of Sale)

چوتھا رکن مبیع (Subject matter of Sale) ہے: جس چیز کو بیچا جائے، اُسے مبیع کہتے ہیں۔ مثلاً کپڑا یا گاڑی وغیرہ۔ جس چیز کو مبیع بنایا گیا ہے، اُس میں مندرجہ ذیل باتیں بیع کی صحت کے لئے ضروری ہیں:

---

(۱) البحر الرائق جلد ٥ ص ٢٧٨

(۲) البدائع والصنائع جلد ٤ ص ٣٢١

(۳) فقه البيوع ج ١ ص ٢٨٩

۱۔ وہ چیز شریعت کے لحاظ سے مال ہو۔ لہٰذا شراب، خنزیر اور مردار کی بیع صحیح نہیں، کیونکہ وہ شریعت کی نگاہ میں مال نہیں۔ (۱)

۲۔ وہ چیز موجود ہو لہٰذا کسی ایسی چیز کی خرید و فروخت جو ابھی پیدا نہ ہوئی ہو جیسے پیٹ میں بکری کا بچہ۔ اسی طرح درخت پر پھل آنے سے پہلے پھل کی بیع جائز نہیں، کیونکہ وہ ابھی وجود میں نہیں آیا۔ (۲)

۳۔ وہ چیز معیّن ہو۔ لہٰذا کسی غیر متعین چیز کی فروختگی ناجائز ہے۔ مثلاً بائع یہ کہے کہ ایک چیز تمہیں بیچی، اور یہ نہ بتائے کہ وہ کیا چیز ہے۔ (۳)

۴۔ وہ چیز مملوک ہو۔ یعنی بائع کی ملکیت میں ہو، لہٰذا جو چیز کسی دوسرے کی ملکیت (Ownership) میں ہو اسے فروخت کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح کسی ایسی چیز کو بیچنا جائز نہیں جسکا کوئی مالک نہ ہو۔ مثلاً ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع جائز نہیں، کیونکہ وہ بائع کی ملکیت میں نہیں ہے۔ (۴)

حقوق کی بیع

حقوق (Rights) کی فروختگی کا حکم یہ ہے کہ ایسے حقوق جنکا کوئی مادّی وجود نہ ہو تو اگر وہ کسی نقصان کو دور کرنے کے لیے ہوں، مثلاً حق شفعہ (Pre

(۱) فقه البیوع ج ۱ ص ۳۲٦

(۲) البدائع والصنائع ج ٤ ص ۳۲٦

(۳) فقه البیوع ج ۱ ص ۳٦٩و ۳۷۰

(۴) فقه البیوع ج ۱ ص ۳۳۳

emption Right)، یا وہ حقوق جو مستقبل میں ثابت ہوں جیسے حق میراث، یا وہ حقوق جو قابلِ انتقال نہ ہوں مثلاً قصاص لینے کا حق، ان سب کی فروختگی ناجائز ہے۔ البتہ دوسرے استحقاقات مثلاً پانی کا حق، راستہ کا حق، یا تجارتی حقوق جیسے ٹریڈ لائسنس وغیرہ انکی فروخت جائز ہے۔[1]

بیع درست ہونے کی شرائط

بیع کے مذکورہ بالا ارکان درست ہونے کے علاوہ کچھ مزید شرائط بھی بیع صحیح ہونے کیلئے ضروری ہیں:

۱۔ یہ ضروری ہے کہ مبیع اور ثمن دونوں معلوم ہوں۔ لہٰذا اگر دونوں میں سے کوئی چیز نامعلوم ہو جس سے بعد میں جھگڑا پیدا ہو سکتا ہو، مثلاً دس مختلف چیزیں سامنے رکھی ہوں، اور بائع یہ کہے کہ ان میں سے ایک چیز تمہیں بیچی، اور اُسے متعین نہ کیا، تو ایسی بیع صحیح نہیں۔ اسی طرح اگر بائع نے یہ کہا کہ میری جیب میں جتنے پیسے ہیں، اُن سے میں نے یہ چیز خریدی، اور بائع کو معلوم نہ ہو کہ اسکی جیب میں کتنے پیسے ہیں تو یہ بیع بھی صحیح نہیں۔

۲۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بائع جو چیز بیچ رہا ہے، وہ اُسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو۔ لہٰذا اگر کسی کی گھڑی گم ہوگئی، اور وہ اس گمشدہ گھڑی کو اُس کا پتہ معلوم ہونے سے پہلے بیچنا چاہے تو یہ بیع درست نہیں ہے۔

---

(۱) اس کی تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ ہو بحوث في قضايا فقهية معاصرة جلد ۱ ص ۷۲ تا ۱۲۵ رسالة بيع الحقوق المجردة

۳۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بائع اور مشتری میں سے کوئی ایک دوسرے پر کوئی ایسی شرط نہ لگائے جس کا بیع سے تعلق نہ ہو، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ "میں اپنی فلاں چیز اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم مجھے دس ہزار روپے قرض دو" تو یہ بیع درست نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس کا عام طور پر تاجروں میں رواج ہوتا ہے تو جائز ہے، مثلاً ریفریجریٹر بیچنے کے ساتھ یہ شرط لگائی جائے کہ بیچنے والا ایک سال تک اسکی مفت سروس کرے گا، تو یہ شرط عام رواج کے مطابق ہے، اس لئے جائز ہے۔

۴۔ مبیع کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بائع کے قبضے میں آچکی ہو، یعنی اگر کسی نے کوئی چیز خریدی ہے تو جب تک اُس نے اُس چیز پر قبضہ نہ کر لیا ہو، اُس وقت تک اُسے آگے بیچنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اگر کوئی چیز اپنے یا اپنے وکیل کے قبضہ میں آئی نہ ہو، اسکی فروختگی ناجائز ہے۔ آجکل ایسی بیع کو شارٹ سیل (Short Sale) کہتے ہیں۔ وہ ناجائز ہے۔

۵۔ اگر سودا ادھار ہو تو یہ طے کرنا بھی ضروری ہے کہ خریدار کب قیمت ادا کرے گا۔

قبضہ کی تعریف اور اسکی قسمیں

قبضہ سے مراد یہ ہے کہ بائع خریدار کے ہاتھ میں چیز دیدے۔ اسکو حقیقی (Phyiscal) قبضہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر بائع خریدار سے کہدے کہ یہ تمہاری چیز ہے، جب چاہو، لے جاؤ، اور خریدار اسے کسی رکاوٹ کے بغیر جب چاہے اٹھا سکے، تو یہ بھی قبضہ شمار ہوتا ہے، اور اسے حکمی (Constructive) قبضہ کہا جاتا ہے۔

یہ دونوں قسم کے قبضے شریعت میں معتبر اور جائز ہیں۔ اور ان کے بعد اس چیز کا ضمان (Risk) مشتری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، یعنی مبیع پر جب خریدار کا حقیقی یا حکمی قبضہ ہو جائے، اور اسکے بعد وہ چیز تباہ ہو جائے، یا اُس میں عیب پیدا ہو جائے تو نقصان خریدار کا ہو گا۔ جب تک خریدار نے مبیع پر حقیقی قبضہ نہ کیا ہو، اور وہ چیز بائع کے پاس ہو، اور اُس وقت وہ تباہ ہو جائے، تو نقصان بائع کا سمجھا جائیگا، اور اگر وہ قیمت لے چکا ہو، تو وہ خریدار کو واپس کرنی ہو گی۔

شریعت کا ایک اہم اصول

شریعت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے جو بیچنے والے کے ضمان یا رسک (Risk) میں نہ ہو۔ لہٰذا جو چیز فروخت کی جائے، اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ فروخت کنندہ کے رِسک یا ضمان میں آچکی ہو۔ چونکہ خریدی ہوئی چیز خریدار کے ضمان میں اُس وقت آتی ہے جب وہ اُس پر قبضہ کر چکا ہو، اس لئے قبضہ کئے بغیر اُسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

البتہ زمین چونکہ ایسی چیز ہے جو تباہ نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے قبضہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی حدود متعین کر دی جائیں۔

بیع کی قسمیں

بیع کی چار قسمیں ہیں: (۱) بیع صحیح۔ (۲) بیع فاسد۔ (۳) بیع باطل۔ (۴) بیع مکروہ۔

---

(۱) سنن الترمذي جلد۲ ص ٥١٤ حديث ١٢٣٢

انکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

بیع صحیح

اگر بیع کے تمام شرائط جو پیچھے بیان ہوئے، ٹھیک طرح سے پائے گئے تو وہ بیع صحیح ہے۔ اور اس سے خریدار مبیع کا مالک بن جاتا ہے۔ تاہم اگر نقد سودا ہو تو مشتری پہلے ثمن ادا کرے، پھر بائع اسے مبیع سپرد کرے۔ البتہ اگر ادھار سودا ہے، تو پھر قیمت کی ادائیگی کی مدت متعین کرنا ضروری ہے، اور بائع مشتری کو مبیع قبضہ میں دیدے۔

اگر مبیع اور قیمت دونوں ادھار ہوں، تو یہ سودا "بیع الدین بالدین" کہلاتا ہے جو ناجائز ہے۔ اگر بائع مبیع فوراً دینے کے بجائے اسکی حوالگی کیلئے کوئی مدت مقرر کرے کہ فلاں تاریخ کو دونگا، تو یہ بیع سلم ہے، اس صورت میں ضروری ہے کہ خریدار قیمت ابھی ادا کردے، تا کہ قیمت اور مبیع دونوں کا بیک وقت ادھار ہونا لازم نہ آئے۔ بیع سلم کی مزید تفصیل انشاءاللہ آگے آئیگی۔

بیع صحیح کا حکم

بیع صحیح کا حکم یہ ہے کہ اس سے مبیع مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے۔[1] نیز مبیع کے ایسے توابع جو عرف ورواج میں اس مبیع کے تابع سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی بیع میں خود بخود شامل ہو جاتے ہیں۔ جیسے زمین کو فروخت کرتے وقت اس پر لگے ہوئے

---

(۱) البحر الرائق جلد ۵ ص ۲۸۳

درخت بھی اس زمین میں شامل ہوں گے، بشرطیکہ بائع نے انہیں مستثنی نہ کیا ہو۔[1]

اگر بائع نے بیع کی تکمیل کے بعد ابھی تک مشتری کو قبضہ نہیں دیا تھا کہ وہ چیز ضائع ہوگئی تو بائع مشتری کو ثمن واپس کردے گا۔ اور اگر ثمن ابھی ادا نہیں کی، تو مشتری کے ذمے سے ثمن کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی۔

بیع باطل

بیع کے جو ارکان اوپر بیان ہوئے ہیں، اگر ان میں سے کوئی رکن نہ پایا گیا، یا جو شرائط ارکان کے تحت بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو بیع باطل کہلاتی ہے۔ مثلاً ایجاب وقبول صحیح نہ ہو، یا متعاقدین سے متعلق شرائط نہ پائی جائیں۔ یا مبیع بائع کی ملکیت میں نہ ہو، یا وجود ہی میں نہ ہو، تو یہ بیع باطل (void) ہے۔[2]

بیع باطل کا حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سرے سے بیع ہوتی ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نہ بائع ثمن پر قبضہ کر سکتا ہے، نہ مشتری مبیع پر۔ اور اگر قبضہ کر لیا تو واپس لوٹانا ضروری ہے۔ اور اگر اسپر کوئی تصرف کر لیا مثلاً مبیع آگے فروخت کر دی تو وہ بیع ناجائز ہے۔ اگر بیع باطل میں خریدار نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور اُس کے بعد وہ چیز ضائع ہو جائے تو اسکا ضمان یعنی بازاری قیمت بائع کو دینا ہوگی۔[3]

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار جلد ٤ ص ٥٤٧ طبع دار الفكر بيروت

(٢) الهداية في شرح البداية ج ٣ ص ٤٢ طبع دار إحياء التراث العربي بيروت

(٣) الهداية ج ٣ ص٤٣

بیع فاسد

اگر بیع کے ارکان پورے تھے، لیکن ارکان کے علاوہ بیع کے درست ہونے کی جو شرائط اوپر بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو ایسی بیع فاسد کہلاتی ہے۔ مثلاً مبیع نامعلوم تھی، یا متعین نہ تھی، یا بائع نے اُس پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی بیچ دیا تھا تو یہ بیع فاسد ہے۔ اسی طرح اگر بیع کے ساتھ کوئی فاسد شرط لگائی تھی، مثلاً یہ کہہ دیا تھا کہ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم مجھے اتنے پیسے قرض دو تو بھی یہ بیع فاسد ہے۔ [1]

بیع فاسد کا حکم

اسکا حکم یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے۔ تاہم اگر جس مجلس میں سودا ہوا ہے، اُسی مجلس میں اسکی وجہِ فساد دور کردی جائے تو وہ صحیح ہو جائے گی۔ مثلاً اگر وہ معلوم و متعین نہ ہو لیکن معلوم اور متعین کردی جائے تو پھر وہ بیع جائز ہو جائیگی۔ لیکن اگر وہ فساد دور نہ ہو تو پھر بائع کے لیے ثمن پر قبضہ اور مشتری کے لیے مبیع پر قبضہ جائز نہ ہو گا۔ اگر قبضہ کرلیا تو واپس لوٹانا اور سودا ختم کرنا ضروری ہے۔ تاہم اگر بیع فاسد میں خریدار نے مبیع پر قبضہ کرکے اُسے آگے بیچ دیا تو یہ دوسری بیع نافذ ہو جائے گی، لیکن اگر اس دوسری بیع کے نتیجے میں اُسے کوئی نفع ہوا ہو تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اُسکے ذمے واجب ہے کہ وہ نفع کی رقم صدقہ کردے۔ [2] اگر بیع فاسد ہوئی، اور خریدار نے قبضہ کرلیا، پھر قبضہ کرنے کے بعد وہ چیز ضائع ہوگئی، تو اسکی بازاری قیمت بائع کو واپس کرنی ہوگی۔ [3]

---

(۱) البحر الرائق جلد ٦ ص ٩٩

(۲) البحر الرائق جلد ٦ ص ٩٩

(۳) بدائع الصنائع جلد ٥ ص ١٥٢

بیع مکروہ

ایسی بیع جس میں تمام ارکان عقد بیع ٹھیک پائے جائیں لیکن کسی دوسری وجہ سے اس میں کراہت (ناپسندیدگی) پیدا ہو جائے مثلاً اذانِ جمعہ کے بعد خرید و فروخت، یا دو متعاقدین کے مابین خرید و فروخت کے دوران تیسرا آدمی بیع میں داخل ہو کر اس سے خرید لے اس کی شرعاً ممانعت آئی ہے، لیکن اگر ایسا عقد کر لیا تو عقد ہو جائے گا، مگر مکروہ ہو گا۔[1]

بیعانہ کے احکام

اگر سودا مکمل نہیں ہوا، لیکن مشتری (خریدار) اور بائع نے آپس میں وعدہ کر لیا کہ فلاں تاریخ کو ہم سودا کر لیں گے، اور اس کے لیے ایڈوانس کچھ رقم خریدار نے بائع کو دیدی، یہ ایڈوانس رقم بیعانہ کہلاتی ہے، مقررہ تاریخ پر اگر خریدار نے بائع سے سودا نہیں کیا، تو بائع کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بیعانہ کی رقم ضبط کر لے۔ اسی طرح اگر بائع نے سودا دینے سے انکار کر دیا تو مشتری کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بیعانہ کی اداشدہ رقم سے زیادہ رقم بائع سے وصول کرے، البتہ کسی عذر کے بغیر وعدہ خلافی کرنا، اور مقررہ تاریخ پر سودا نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وعدہ خلافی کرنے کا گناہ ہو گا۔ مذکورہ صورت میں بیعانہ کی رقم بائع کے پاس امانت ہے، اور اس پر امانت کے احکام جاری ہوں گے۔[2]

البتہ اگر ابتدا ہی میں سودا (عقد) مکمل ہو گیا تھا اور ایجاب و قبول کی تمام شرائط پوری ہو گئی تھیں تو پھر اس بیعانہ کی رقم کو قیمت کا حصہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور باقی قیمت طے شدہ وقت پر ادا کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع جلد ٥ ص ۲۳۲

(۲) إعلاء السنن ج١٤ص ١٦٦ كتاب البيوع/ باب النهي عن بيع العربان، طبع إدارة القرآن كراتشي وفقه البيوع ١: ١١٣ المبحث الأول / العربون وأحكامه

ادھار کی یا قسطوں کی بیع

اُدھار (credit) کی بیع یا قسطوں (instalments) کی بیع جائز ہے بشرطیکہ اسی مجلسِ عقد میں قیمت متعین ہو جائے، اور ادائیگی کی تاریخ متعین ہو جائے۔ اس میں یہ طے نہیں کیا جاسکتا کہ اگر متعین مدت تک ادائیگی نہ کی تو اتنا جُرمانہ (Penalty) واجب ہو گا۔ یہ ناجائز اور سود کے حکم میں ہے۔ البتہ سودا یا عقد کے مکمل ہونے سے پہلے اگر بائع یہ کہے کہ مثلاً اگر تم دس جنوری تک قیمت ادا کروگے تو قیمت سو روپے ہے، اور اگر دس فروری تک ادا کروگے تو قیمت ایک سو دس روپے ہے، اور پھر دس فروری ادائیگی کی تاریخ طے پائی، اور قیمت ایک سو دس روپے طے پائی تو یہ جائز ہے، البتہ اگر وہ مارچ میں ادا کر پایا تو اس قیمت میں مزید اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر وہ متعین مدت سے پہلے ادا کردے تو مشتری قیمت میں کمی کا مطالبہ نہیں کرسکتا، البتہ بائع از خود قیمت میں کمی کردے تو جائز ہے۔

قسطوں کی بیع میں اسکی بھی گنجائش ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ اگر قسطیں وقت پر ادا نہ کیں تو پوری قیمت یک مُشت ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔

ادھار بیع میں اگر ادائیگی کی تاریخ متعین نہ ہو، بلکہ اسطرح کہا جائے کہ مثلاً جس دن مجھے میرے مقروض سے پیسے ملیں گے، اُس دن ادا کروں گا، تو یہ بیع فاسد ہے، لیکن اگر وہ دن متعین کردیا تو فساد کی وجہ دور ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہو جائیگی۔[1]

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بحوث فی قضایا فقهیه معاصرة ج۱ ص ۹ بحث أحکام البیع بالتقسیط، طبع دار القلم دمشق

اختیارات(Options)کا بیان

خرید وفروخت کے وقت بائع اور مشتری کو کچھ اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ان اختیارات کی کچھ تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

خیارِ شرط

سودا کرتے وقت اگر بائع یا مشتری اس بات کی شرط لگائے کہ اسے چند متعین دنوں تک اختیار ہوگا کہ میں بیع ختم کردوں، مثلاً بائع یہ کہے کہ یہ چیز میں نے اس شرط کے ساتھ بیچی ہے کہ مجھے اتنے دن تک اسے ختم کرنے کا اختیار ہے۔ یا مشتری یہ کہے کہ میں نے یہ چیز اس شرط کے ساتھ خریدی ہے کہ مجھے مثلاً پندرہ دن تک اسے واپس کرنے کا اختیار ہے۔ اسے "خیارِ شرط" کہتے ہیں۔ اس خیار کی زیادہ سے زیادہ کوئی مدت نہیں ہے۔ البتہ مدت طے ہونا ضروری ہے۔ اگر مجلسِ عقد میں یہ خیار شرط نہیں لگایا گیا تو پھر مجلس ختم ہوتے ہی یہ اختیار نہیں رہے گا کہ ایسی کوئی شرط لگائی جائے۔[1]

اگر مشتری نے یہ خیار لگایا ہو، تو اسے "خیارِ مشتری" کہتے ہیں، اور اگر بائع نے لگایا ہو تو اسے "خیارِ بائع" کہتے ہیں۔ یہ دونوں خیار درج ذیل صورتوں میں ختم ہو جاتے ہیں:

۱۔ زبان سے صراحتاً اختیار ختم کردیا۔ یعنی یہ کہدیا کہ بیع پکی ہوگئی۔

---

(۱) بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۲۶۳ والبحر الرائق جلد ٦ ص ۲ وص۵ حیث قال: لا یصح اشتراطه أکثر من ثلاثة أیام عند أبي حنیفة وقالا یجوز إذا سمی مدة معلومة لحدیث ابن عمر

۲۔ جب اختیار مشتری نے لیا ہو، اور اس سامان کو اُس نے اپنے اختیار کے باوجود استعمال کر لیا۔[۱]

۳۔ خیار کی طے شدہ مدت پوری ہو گئی۔[۲]

البتہ اگر بائع یا مشتری اپنے خیار کو استعمال کرتے ہوئے بیع فسخ کرنا چاہیں تو فریقِ ثانی کو مطلع کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر سودا ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک بائع کو یہ خیار حاصل ہے، اسوقت تک مبیع بائع کی ملکیت سے نہیں نکلتی۔ اور جبتک مشتری کو یہ خیار حاصل ہے، مشتری کی ملکیت موقوف رہتی ہے۔[۳]

خیارِ وصف

اگر بیع میں عقد کے وقت بائع نے مبیع کے اندر کوئی اچھی اور مرغوب وصف یا کوالٹی بیان کی، اور اس وصف کے موجود ہونے کی شرط پر مشتری نے اسے خرید لیا، تو یہ جائز ہے، البتہ اگر بعد میں پتہ چلا کہ اس میں در حقیقت وہ وصف موجود نہیں ہے۔ تو مشتری کو اس بیع کو فسخ (ختم) کرنا جائز ہوگا۔ مثلاً بائع نے بکری فروخت کی، اور یہ کہا کہ یہ دودھ دیتی ہے، اور اسی یقین دہانی کی بنیاد پر مشتری نے اُسے خریدا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ دودھ نہیں دیتی۔ تو مشتری یہ بیع فسخ کر سکتا ہے۔ تاہم اس وصف کے نہ پائے جانے کی بنا پر قیمت میں کمی نہیں کی جاسکتی، مشتری کو اختیار ہو گا کہ چاہے

---

(۱) بدائع الصنائع جلد ٥ ص ٢٦٩
(۲) بدائع الصنائع جلد ٥ ص ٢٦٧
(۳) الهداية في شرح البداية للمرغيناني جلد ٣ ص٢٩ والفتاوى الهندية جلد ٣ ص٤٠ طبع دار الفكر بيروت

تو اس بیع کو فسخ کر دے، یا اسی قیمت پر اسی طرح رکھ لے۔ ہاں البتہ اگر مشتری نے اس چیز کو چیک کیے بغیر استعمال کر لیا، اور وہ واپسی کے قابل نہ رہی، تو پھر اس وصف مرغوب والی چیز اور بغیر وصف والی چیز کی قیمت کا فرق بائع سے وصول کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ شرط لگا کر کپڑا خریدا تھا کہ وہ جاپانی ہے، پھر چیک کئے بغیر اُسے سی کر استعمال کر لیا۔ اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ جاپانی نہیں تھا تو جاپانی اور غیر جاپانی کپڑے کی قیمت میں جو فرق ہوتا ہے، وہ مشتری بائع سے وصول کر سکتا ہے۔

البتہ اگر کوئی ایسا وصف بیان کیا جسے فوراً چیک نہیں کیا جا سکتا اور اس وصف کے پائے جانے کی شرط پر اس نے اسے خریدا مثلاً یہ کہ یہ بکری حاملہ ہے۔ تو اس قسم کی شرط نہیں لگائی جا سکتی۔

خیارِ رؤیت

کسی چیز کو دیکھے بغیر خریدنا جائز ہے۔ اور سودا ہونے کے بعد خریدار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چیز دیکھنے کے بعد پسند نہ آنے کی صورت میں سودا ختم کر دے۔ اگر چہ دیکھنے سے پہلے اس نے زبانی طور پر اس سے رضامندی کا اظہار کر دیا ہو، اور اگر چہ فی الحال اس میں کوئی عیب بھی موجود نہ ہو۔ اسے "خیارِ رؤیت" کہا جاتا ہے۔ اور خریدار چیز دیکھنے سے پہلے کسی وقت بھی سودا ختم کر سکتا ہے۔[1]

(۱) البحر الرائق جلد ٦ ص ٢٨

دیکھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اگر وہ چیز جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے اسے دیکھ لے، یا عرف کے مطابق اسکو دیکھنا سمجھا جائے، اس حد تک دیکھ کر اگر مشتری اپنے خیار کے تحت بیع کو فسخ کر دے تو یہ جائز ہے۔ اس سے زائد دیکھنا خیار کو باقی رکھنے کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اور بیع ختم کرنے کے لیے صرف بائع کو مطلع کرنا کافی ہے۔ قاضی کی عدالت سے ختم کرانا ضروری نہیں۔ [1]

"خیار رؤیت" کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ خریدار کو چیز دیکھنے کے بعد سودا ختم کرنے کا اختیار حاصل رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس اختیار کو ختم کر دے۔ البتہ مشتری دیکھنے کے بعد اگر اسے استعمال کر لے، یا اس میں کوئی ایسا عیب پیدا کر دے کہ جس کی وجہ سے اس چیز کو واپس کرنا مشکل ہو جائے، یا زبان سے اس چیز پر رضامندی کا اظہار کر دے، تو ان تمام صورتوں میں "خیار رؤیت" ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر خریدار نے چیز کو دیکھنے سے قبل فروخت کر دیا، یا کسی کے پاس گروی رکھدیا، یا کرایہ پر دے دیا، تو ان باتوں سے بھی "خیار رؤیت" ختم ہو جاتا ہے۔ خریدار کی موت سے بھی یہ خیار ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے وارث کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور بیع مکمل سمجھی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ "خیار رؤیت" صرف مشتری کو حاصل ہوتا ہے، بائع کو نہیں۔ لہٰذا اگر بائع نے کوئی ایسی چیز بیچ دی جو اُس نے ابھی دیکھی نہیں تھی، مثلاً اُس کو کوئی زمین وراثت میں ملی تھی، اور اُس نے اُسے دیکھا نہیں تھا، اور دیکھے کے بغیر اُسے بیچ دیا، تو اُس کو زمین دیکھنے کے بعد سودا ختم کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہو گا۔ [2]

---

(۱) البحر الرائق جلد ٦ ص ٢٩

(۲) بدائع الصنائع جلد ٥ ص ٢٩٢

خیارِ عیب

بائع کی ذمہ داری ہے کہ وہ مشتری کو مبیع بغیر کسی عیب کے دے۔ تاہم اگر مبیع میں کوئی عیب ہو، تو بائع کو چاہیے کہ وہ مشتری کو بیع کے وقت اس عیب کے بارے میں بتلائے۔ بتلانے کے باوجود اگر مشتری خرید لے، پھر تو بیع درست ہے، اور مشتری کو اُس عیب کی وجہ سے بیع ختم کرنے کا اختیار نہیں ہے، لیکن اگر بائع نے عیب نہیں بتلایا، اور مشتری کو اس نے فروخت کر دیا، تو وہ گناہ گار ہو گا۔ ایک حدیث میں

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ"(۱)

یعنی "اگر کسی نے کوئی عیب دار چیز عیب بتلائے بغیر فروخت کر دی تو وہ اللہ تعالی کی ناراضگی میں رہتا ہے اور فرشتے بھی اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں"۔

اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا"(۲)

"جس نے ہم (مسلمانوں) کو دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

---

(۱) سنن ابن ماجه ج۳ ص۵۷۸ حديث (۲۲٤۷) طبع دار الجيل بيروت

(۲) صحيح مسلم ج۱ص۹۹ حديث (۱۰۲)

اس صورت میں اگر مشتری نے کوئی چیز خریدی اور اس میں کوئی ایسا عیب پایا جو تاجروں کے عرف میں عیب اور نُقص شمار ہوتا ہے، تو مشتری کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو وہ اس بیع کو فسخ کردے، یہ اختیار مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ملتا ہے:

۱۔ مبیع میں وہ عیب بائع کے پاس ہی سے ہو۔ خریدنے کے بعد پیدا نہ ہوا ہو۔

۲۔ مشتری کو اس عیب پر اطلاع نہ خریدتے وقت ہوئی ہو، اور نہ قبضہ کرتے وقت۔

۳۔ بائع نے بیع کے وقت تمام عیوب یا اس عیب سے اپنے بری ہونے کا اظہار نہ کیا ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ میں یہ چیز "جیسی ہے، جہاں ہے" (As is Where is) کی بنیاد پر فروخت کرتا ہوں، لیکن اگر اس نے بیع کے وقت یہ الفاظ استعمال کرلیے جن کا مطلب یہ ہے کہ مشتری خود سوچ سمجھ کرلے، اور میں اسکے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہونگا، تو پھر مشتری کو کسی عیب کی وجہ سے بیع ختم کرنے کا یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

۴۔ عیب آسانی سے ختم کرنا ممکن نہ ہو۔

۵۔ خریدنے کے بعد مشتری نے اس میں کوئی ایسا عیب پیدا نہ کردیا ہو کہ اب وہ بائع کے لیے واپس لینا ناممکن ہو جائے۔

۶۔ خریدار نے اس عیب کا علم ہونے کے باوجود اسپر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو۔

خیار عیب کا حکم

خیارِ عیب میں بائع سے مشتری اس عیب کے بدلے کسی قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا، یعنی مشتری بائع کو اس بات پر مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ عیب کے بدلے اتنے پیسے واپس کرے۔ بلکہ اگر مشتری عیب کے باوجود لینا چاہے تو پوری قیمت ادا کرکے

لے، ورنہ اسے واپس کر دے۔ البتہ اگر بائع اس کو اپنی طرف سے اس عیب کی وجہ سے کوئی رقم ادا کر دے، یا ثمن میں سے کچھ واپس یا معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔[1]

خیار عیب کی مدت

خیارِ عیب کے انتہاء کی کوئی مدت نہیں ہے۔ اگر اس خیار کے دوران مشتری کا انتقال ہو جائے، تو پھر یہ خیار مشتری کے ورثاء تک منتقل ہو جاتا ہے۔ یعنی اُسکے ورثاء وہ چیز بائع کو واپس کر کے قیمت واپس لے لیں۔[2]

خیار عیب کے بدلے صلح کرنا

اگر بائع چیز کے عیب دار ہونے کا اقرار نہ کرے، اور خریدار بائع سے اس بات پر صلح کرنا چاہے کہ یہ عیب دار چیز تم واپس لے لو، اور میری ادا کی ہوئی رقم میں سے کچھ رقم منہا کر کے بقیہ رقم مجھے واپس کر دو تو یہ صلح کرنا جائز ہے۔[3] البتہ اگر بائع چیز کے دار ہونے کا اقرار کرے، لیکن چیز واپس لینے کی صورت میں کچھ رقم کا بھی مطالبہ کرے، تو اس صورت میں رقم لینا دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کی رشوت ہے۔[4]

خیارِ عیب کی وجہ سے واپسی اگر مشتری کے مبیع پر قبضہ کرنے سے قبل ہو، تو بائع کی رضامندی کے بغیر بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر قبضہ کرنے کے بعد واپس کرے، تو بائع کی رضامندی یا عدالتی فیصلہ ضروری ہے۔

---

(١) البحر الرائق جلد ٦ ص ٣٩

(٢) الفتاوى الهندية ج ٣ ص ٦٦

(٣) الفتاوى الهندية ج ٣ ص ٩٧، والبحر الرائق ج ٦ ص٧٣

(٤) الدر المختار مع رد المحتار جلد ٥ ص ٤٦

اگر خیار عیب کی وجہ سے مشتری کوئی چیز بائع کے پاس لے کر گیا، اور اس نے خاموشی سے اسے رکھ کر پیسے واپس کر دیئے تو یہ جائز ہے، اور اب وہ چیز واپس بائع کے ضمان (رِسک) میں چلی گئی۔ یعنی اگر اب وہ چیز ضائع ہو گئی تو نقصان بائع کا سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر بائع نے پیسے واپس نہیں کئے، تو یہ واپسی نہیں سمجھی جائے گی، اور وہ چیز اتنے عرصہ بائع کے پاس امانت رہے گی۔ اگر کسی چیز کے بارے میں تاجروں کے درمیان اختلاف ہو جائے کہ آیا یہ عیب ہے یا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیب دار نہیں ہے۔ اور اسے عیب دار شمار نہیں کیا جائے گا۔

اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ خریدا کہ میں اس کے تمام عیوب کے ساتھ خرید رہا ہوں یا یہ کہا کہ جیسا ہے جہاں ہے کی بنیاد پر (As is where is basis) تو پھر خیارِ عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا۔ اگر بائع نے مبیع میں کچھ عیب ذکر کر دیئے، اور مشتری انکے باوجود اس کو لینے پر راضی ہو گیا، مگر کوئی خاص عیب ذکر نہیں کر سکا، اس کو دیکھ کر مشتری کو خیار عیب حاصل ہو جائے گا۔

خیار عیب کب ختم ہو گا

مشتری کو جب مبیع میں کوئی عیب نظر آیا، تو اسے خیار ملے گا، البتہ درج ذیل کاموں کے بعد یہ خیار ختم ہو جائے گا۔

۱۔ عیوب پر رضامندی ظاہر کر دی۔

۲۔ اپنی چیز کی طرح اسے اپنے کام میں استعمال کر لیا۔

۳۔ کسی تیسرے شخص کو فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے کی پیشکش کر دی۔

۴۔ اُس چیز کی مرمت یا اصلاح کرلی، یا جانور تھا تو اس کا علاج کر لیا۔

۵۔ وہ چیز کسی کے پاس گروی رکھوادی۔

۶۔ کسی کو تحفہ میں دیدی۔

جب واپسی ممکن نہ رہے تو مشتری کا اختیار

مندرجۂ ذیل صورتوں میں خیار عیب کی وجہ سے واپسی ممکن نہیں رہتی۔ لیکن مشتری کو یہ حق ہوتا ہے کہ عیب دار چیز اور غیر عیب دار چیز کی قیمتوں میں جو فرق ہوتا ہے، وہ بائع سے وصول کرلے۔

۱۔ خریدنے کے بعد اس چیز میں نیا عیب پیدا ہو جائے۔

۲۔ مشتری کپڑے کو سینے کے لیے کاٹ چکا ہو۔ یا جانور کو ذبح کر چکا ہو، اُس کے بعد عیب کا پتہ لگے۔

۳۔ کپڑا کاٹنے کے بعد فروخت کر چکا ہو۔

۴۔ ستو کو خریدنے کے بعد اس میں پانی ملا دیا ہو، یا آٹے کو خریدنے کے بعد گوندھ لیا ہو۔

۵۔ زمین میں درخت لگا دیئے ہوں، یا تعمیر کرلی ہو۔

۶۔ خام مال کو پگھلا دیا ہو۔ اسکے بعد پتہ چلا کہ یہ اس قابل نہیں کہ مطلوبہ چیز بن سکے۔

ان تمام صورتوں میں واپسی تو ممکن نہیں رہتی، لیکن قیمت کا فرق بائع سے وصول کرنے کا حق مشتری کو حاصل ہوتا ہے۔

دھوکہ کی وجہ سے اختیار

بائع کیلئے عام حالات میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی چیز ہمیشہ اُسکی بازاری قیمت ہی پر فروخت کرے، بلکہ وہ بازاری قیمت سے کم یا زیادہ پر بھی مشتری کی رضامندی سے فروخت کر سکتا ہے، بشرطیکہ اُس میں کوئی دھوکہ نہ ہو۔ چنانچہ کسی دھوکے کے بغیر بائع نے اگر اتنی قیمت لگا کر فروخت کر دی جو بازاری قیمت سے بہت زیادہ ہو، یعنی اُس چیز کے تمام تاجر اُسے زیادہ قرار دیں، تو اسے فقہ کی اصطلاح میں "غبن فاحش" کہتے ہیں۔ لیکن اگر مشتری نے کوئی چیز "غبن فاحش" کے ساتھ اپنی رضامندی سے خرید لی، چاہے اُسے بازار کا بھاؤ معلوم ہو یا نہ ہو، تو خریدار کو اس کی وجہ سے سودا ختم کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ اس قاعدے سے مندرجہ ذیل خریداریاں مستثنیٰ ہیں:

۱۔ اگر وہ چیز کسی یتیم کیلئے اُسکے سرپرست نے یتیم ہی کے مال سے خریدی تھی، اور پتہ چلا کہ وہ "غبن فاحش" سے خریدی گئی ہے تو اُس سودے کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی چیز وقف جائیداد کے مال سے یا بیت المال کے لیے غبن فاحش یعنی بہت زیادہ مہنگے داموں میں خریدی گئی تو اس وقت بھی سودا ختم کیا جاسکتا ہے۔

یہ حکم اُس وقت ہے جب بائع نے کوئی دھوکہ نہ دیا ہو۔ لیکن اگر بائع نے دھوکہ دے کر کوئی چیز بیچی، مثلاً بائع نے کہا کہ اسکی بازاری قیمت وہی ہے جس پر میں فروخت کر رہا ہوں، اور خریدار نے بائع پر اعتماد کر کے وہ چیز بائع کی بتائی ہوئی قیمت پر

خریدلی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بازاری قیمت وہ نہیں تھی جو بائع نے بتائی، بلکہ اُس میں "غبن فاحش" تھا تو خریدار کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے۔ البتہ جس خریدار کو دھوکہ ہوا، اس نے دھوکہ کا علم ہو جانے کے بعد چیز کو اپنی چیز کی طرح استعمال کر لیا تو اس کا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ نیز اگر وہ سودا ختم کرنے سے پہلے وفات پاگیا، تب بھی سودا ختم نہیں کیا جاسکتا۔ (مجلہ)[1]

دھوکے کی وجہ سے سودا ختم کرنے کا اختیار جس طرح مشتری کو ہوتا ہے، اسی طرح اگر مشتری نے بائع کو دھوکہ دیا ہو، تو بائع کو بھی سودا ختم کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی مشتری نے بائع کو بتایا کہ تمہاری اس چیز کی بازاری قیمت سو روپے ہے، اور بائع نے اُس پر بھروسہ کرکے وہ چیز سو روپے میں بیچ دی، بعد میں پتہ چلا کہ اُسکی بازاری قیمت تو دو سو روپے تھی، اور مشتری نے دھوکہ دیا تھا، تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ سودا ختم کردے، اور اپنی چیز واپس لے لے۔ اس اختیار کے باقی رہنے اور ختم ہونے کے وہی احکام ہیں جو خریدار کے بارے میں اوپر بیان ہوئے ہیں۔ (مجلہ)[2]

اقالہ (Revocation) یعنی سودا واپس لینا

سودا یا عقدِ بیع مکمل ہونے کے بعد بائع اور خریدار میں سے کوئی ایک تنہا اپنی مرضی سے سودا ختم نہیں کرسکتا۔ بعض اوقات مشتری کوئی چیز خریدنے کے بعد کسی ضرورت کی وجہ سے یہ چاہتا ہے کہ وہ یہ سودا ختم کردے، اس صورت میں سودا ختم

---

(۱) مجلة الأحكام العدلية ص ۷۰ المادة ۳۵۶-۳۶۰ طبع نور محمد کراتشي

(۲) درر الحكام شرح مجلة الأحكام جلد ۱ ص ۳۶۷ طبع دار الجيل بيروت

کرنے کے لیے بائع کی رضامندی ضروری ہے۔ باہمی رضامندی سے سودا ختم کرنے کو "اقالہ" کہا جاتا ہے۔[1]

حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ أَقَالَ نَادِمًا أَقَالَ اللهُ عَثْرَاتُه يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[2]

یعنی جس شخص نے کسی ایسے مسلمان سے اقالہ (یعنی سودا ختم کیا) جو خریدنے کی وجہ سے نادم و پریشان ہے، تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی لغزشوں کو معاف کردیں گے۔

"اقالہ" کے لیے ضروری ہے کہ بیع اسی ثمن پر فسخ کی جائے جس پر عقد کیا گیا تھا، کمی یا زیادتی کی شرط لگانا ناجائز ہے۔ (در مختار، ہدایہ)[3]

اقالہ بائع اور خریدار کے حق میں تو فسخ (عقد ختم کرنا) ہے، لیکن کسی تیسرے شخص کے حق میں وہ نئی بیع ہے۔ یعنی اُسکے اعتبار سے مشتری نے مبیع ایک نئے معاملے کے تحت اپنے پہلے بائع کو بیچ دی ہے۔ لہٰذا اگر زید نے عمر کو اپنی زمین بیچی، اور اس وقت اُسکے پڑوسی خالد نے اس پر کوئی اعتراض اور شفعہ (Right of pre emption) کا دعویٰ نہیں کیا۔ بعد میں زید اور عمر نے باہمی رضامندی سے اقالہ کرلیا، یعنی زمین واپس زید کے پاس آگئی، تو خالد کے حق میں یہ نئی بیع ہوئی ہے۔ لہٰذا اُسے شفعہ کا حق حاصل ہوگا۔ (ہدایہ)[4]

---

(۱) الهداية شرح البداية جلد ۳ ص ۵۵

(۲) سنن أبي داود ج٤ص٢١٨ حديث (٣٤٥٤) طبع دار البشر

(۳) الدر المختار مع رد المحتار جلد ٥ ص ١٢٤، الهداية شرح البداية جلد ۳ ص ۵۵

(٤) حواله سابقه

عقدِ مرابحہ (Sale with mark up) اور

تولیہ (Sale at Cost)

عقد "مرابحہ" یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بیچنا کہ بیچنے والے اور خریدار کے درمیان یہ بات طے ہو کہ بائع اپنی قیمتِ خرید یا لاگت پر کتنا نفع رکھ کر اُسے فروخت کریگا۔ مثلاً بائع یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا اپنی لاگت پر دس فی صد نفع رکھ کر بیچوں گا۔

اور "تولیہ" اسکو کہتے ہیں کہ بائع یہ کہے کہ جس قیمت میں میں نے یہ چیز خریدی تھی، اسی قیمت پر تمہیں فروخت کرتا ہوں، مثلاً اسطرح کہے کہ میں نے یہ چیز دس روپے میں خریدی تھی، اور تم کو بھی دس روپے میں ہی بیچتا ہوں۔

بیع مرابحہ اور تولیہ میں بطور خاص دیانت داری ضروری ہے، حتی کہ اگر بائع نے خود مال ادھار خریدا تھا، تو مشتری کو یہ بتانا ضروری ہے۔ مشتری پر اگر یہ واضح ہو جائے کہ مرابحہ میں بائع نے سابقہ قیمت بیان کرنے میں کوئی خیانت کی ہے، تو خریدار کو یہ سودا ختم کرنے کا اختیار ہو گا، اور اگر بیع تولیہ میں خیانت ہونے کا علم ہو، تو خریدار اتنی قیمت کم کر دے گا جتنی رقم بائع نے خیانت کر کے زیادہ بتائی تھی۔

بائع نے ایک چیز خریدنے کے بعد اس کی حفاظت یا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر رقم خرچ کی یا اُس میں کوئی اضافہ کرنے کیلئے خرچ کی جس سے اس کی قدرو قیمت میں اضافہ ہو گیا، تو بائع اس چیز کی قیمت خرید میں اس چیز پر مزید خرچ ہونے والی

رقم بھی ملا سکتا ہے، اور اب بائع اس طرح کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی، یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے (ہدایہ)[1]

مرابحہ کے ذریعہ تمویل (Financing through Murabah)

مرابحہ اصل میں کوئی طریقہ تمویل یا سودی قرضہ نہیں ہے، بلکہ یہ خرید وفروخت کی ایک شکل ہے، لہذا بوقت عقد اس میں خرید وفروخت کی عمومی اور مرابحہ کی پیچھے بیان کردہ شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مرابحہ کے ذریعے تمویل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمویلی ادارہ (Financier) اس چیز کو خود خرید کر قبضہ کرلے جس کی خریداری کے واسطے صارف (Client) رقم لینے آیا تھا، البتہ مالیاتی ادارہ خریداری کرنے کے لیے کسی تیسرے شخص کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی اجازت ہے کہ اگر وہ چاہے تو صارف کو ہی خریداری کے لیے اپنا وکیل بنادے جو قرضہ لینے آیا تھا تاکہ وہ اس تمویلی ادارہ کی طرف سے اس کا وکیل بن کر وہ سامان خرید کر اسپر قبضہ کرے۔ پھر وہ صارف اس تمویلی ادارہ سے وہی چیز ادھار قیمت (Deferred Price) پر خرید لے، لہذا پہلے وہ صارف اسکا وکیل ہوگا اور اس وقت اسکی حیثیت شریعت میں ایک امین (trustee) کی طرح ہے۔ اور خریدی ہوئی چیز مالیاتی ادارہ کی ملکیت میں اور اسی کے ضمان (Risk) میں ہوگی، لہذا اس صورت میں اگر بالفرض وہ چیز کسی ناگہانی حادثہ میں تلف یا خراب ہو جائے تو صارف اسکا نقصان ادا کرنے کا ذمہ دار نہ

---

(۱) الهداية شرح البداية جلد ۳ ص ٥٦ باب المرابحة والتولية

ہو گا۔ البتہ جب صارف اس سے وہ چیز خریدے تب ملکیت اور ضمان صارف کا ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ مرابحہ کی تمویل میں درج ذیل ترتیب کالحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ صارف اور تمویلی ادارہ ایک عمومی معاہدہ کریں کہ جس میں ادارہ اس چیز کو صارف کو فروخت کرنے اور خریدار اسے قیمت یا لاگت سے زائد نفع پر خریدنے کا وعدہ کریں۔

۲۔ ادارہ صارف کو اس چیز یا سامان کی خرید اور قبضہ کرنے کا وکیل بنادے، اور وکالت کے معاہدہ پر دونوں دستخط کردیں۔

۳۔ صارف اس سامان کو ادارہ کی طرف سے خریدے، اور اس پر اس کے وکیل کی حیثیت سے قبضہ کرے۔

۴۔ خریداری اور قبضہ کے بعد صارف اس ادارہ کو اسکی اطلاع کردے اور پھر اسے اس ادارہ سے خریدنے کی پیشکش (offer) کرے۔

۵۔ ادارہ اس پیشکش کو قبول کرلے، کہ اب اس سامان کی ملکیت اور قبضہ صارف کی طرف منتقل ہو جائے۔

مندرجہ بالا پانچوں باتوں کی ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

تمویل کی اصل صورت

اسلام میں تمویل کا بہترین راستہ مشارکہ یا مضاربہ ہے، لہذا غیر سودی بینکاری میں انہیں استعمال کیا جائے گا۔ لہذا مرابحہ کو مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق

تمویل کے لیے استعمال کرنے کی اجازت مجبوری کے تحت ہوگی، البتہ مرابحہ کے ذریعہ تمویل سے متعلق چند اہم مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ادارہ اس سامان کی قیمت کی ادھار کے عوض کسی رہن (گروی) رکھنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۲۔ رقم کی ادائیگی کے معاہدہ میں یہ بھی طے کیا جاسکتا ہے کہ اگر صارف نے فلاں تاریخ تک رقم ادا نہ کی تو وہ اس سے زائد اتنی رقم کسی خیراتی فنڈ میں دے گا۔

۳۔ ادارہ کے سامان کو مرابحہ کے تحت فروخت کرنے کا اور صارف کے اس سے خریدنے کا معاہدہ قضاءً بھی نافذ (Enforceable by law) کیا جاسکتا ہے۔

بیعِ سلم (Sale on Advance Payment)

"بیع سلم" اس کو کہتے ہیں کہ بائع اور مشتری کے درمیان یہ بات طے ہو کہ مشتری قیمت فوراً ادا کردے گا، لیکن بائع مبیع ایک متعین مدت کے بعد ادا کرے گا۔ "بیع سلم" میں مبیع اگرچہ عقد کے وقت نہ تو موجود و متعین ہوتی ہے، اور نہ بائع کی ملکیت میں ہوتی ہے، لہٰذا اصلاً تو یہ بیع ناجائز ہونی چاہیے تھی، مگر شریعت نے لوگوں کی ضرورت، خصوصاً زراعت پیشہ افراد کی ضرورت کے پیشِ نظر اس کو جائز کہا ہے۔ کیونکہ اس میں بائع اور مشتری دونوں کا فائدہ ہے، کیونکہ بائع کو جب قیمت پیشگی مل جاتی ہے، تو وہ اس پیسے سے اپنے گھر والوں کی کفالت کر سکتا ہے، اور اس سے زراعت سے متعلق اشیا مثلاً بیج وغیرہ خرید سکتا ہے۔ اور مشتری کا یہ فائدہ ہے کہ اسے ایڈوانس

قیمت کی ادائیگی کی وجہ سے وہ چیز عموماً سستی مل جاتی ہے۔ اور ایک لحاظ سے دونوں کے لیے قیمت پہلے سے متعین ہونے کی وجہ سے مستقبل کے بازاری اتار چڑھاؤ سے بھی حفاظت (Hedging) ہو جاتی ہے، جسکی وجہ سے دونوں (بائع اور مشتری) اپنی تجارتی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔

لیکن بیعِ سلم کے صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱۔ چیز کی جنس، قسم اور صفت وغیرہ بیان کر کے چیز کو بالکل واضح کر دیا جائے۔

۲۔ چیز کی مقدار، حوالگی کی تاریخ، قیمت، اور اگر وہ چیز اس نوعیت کی ہے کہ اسکو منتقل کرنے میں مشقت ہو، تو اس جگہ کی تعیین جس جگہ اسے سپرد کیا جائے گا، واضح طور پر بیان کی جائے۔

۳۔ چیز ایسی ہو کہ جو بیع کرنے وقت سے حوالگی کے وقت تک بازار میں دستیاب ہو۔

۴۔ چیز کو اس کی صفت و مقدار سے اچھی طرح متعین و ممتاز کیا جا سکتا ہو۔

۵۔ حوالگی کی مدت کم از کم ایک مہینہ رکھی جائے۔

۶۔ بیع کرتے وقت بائع خریدار کے سامنے ہی قیمت اپنے قبضہ میں لے لے۔

۷۔ بیع سلم میں کسی متعین چیز کی فروختگی جائز نہیں، مثلاً کوئی گاڑی سامنے موجود ہو، تو اُس گاڑی کی بیع سلم نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ وہ گاڑی حوالگی تک برقرار نہ رہے۔ اسی طرح کسی خاص باغ کے پھل میں سلم نہیں ہو سکتا، چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ اس خاص باغ کے آم بیع سلم کے طور پر بیچے جا رہے ہیں، تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ اس باغ میں آم آئے گا یا

نہیں۔ البتہ اگر آم میں بیع سلم کرنی ہو تو یہ کہا جائے کہ بائع فلاں قسم کے آم فلاں تاریخ کو مہیا کرے گا، چاہے وہ کسی باغ کے ہوں۔

۸۔ سلم صرف اُن چیزوں میں ہو سکتا ہے جو ایک جیسی ہوتی ہیں، جیسے گندم کی کوئی خاص قسم، کہ اُسکا ہر دانہ دوسرے دانے کی طرح ہی ہوتا ہے۔ایک دانہ دوسرے سے اتنا مختلف نہیں ہوتا کہ اُسکی وجہ سے قیمت میں فرق پڑ جائے۔ ایسی چیزوں کو فقہ میں "ذوات الامثال" کہتے ہیں۔انکی علامت یہ ہے کہ انہیں ناپ کر یا تول کر بیچا جاتا ہے۔

دوسری طرف وہ چیزیں جن کی ہر اکائی دوسری سے مختلف ہو، جیسے جانور، کہ ہر جانور دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے، چنانچہ ہر جانور کی قیمت عموماً الگ ہوتی ہے۔ ایسی چیزوں کو فقہ میں "ذوات القیم" کہا جاتا ہے۔ انکی بیع سلم جائز نہیں۔ انکی علامت یہ ہے کہ عام طور پر انہیں ناپ کر یا تول کر نہیں بیچا جاتا، بلکہ ہر اکائی کی قیمت الگ لگائی جاتی ہے۔ البتہ جو چیزیں گن کر بیچی جاتی ہیں، مگر انکی اکائیوں میں اتنا زیادہ فرق نہیں ہوتا، مثلاً انڈے، ان کی بیع سلم ہو سکتی ہے۔

بیع سلم کے کچھ احکام

۱۔ بیع سلم میں جب تک بائع طے شدہ چیز مشتری کے حوالے نہ کر دے، مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اُسے آگے کسی کو فروخت کرے، کیونکہ پیچھے گذر چکا ہے کہ قبضے سے پہلے کوئی چیز فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲- اگر بائع مقررہ تاریخ پر مقررہ چیز نہ دے سکے، تو اس کے بدلے میں اُس سے کوئی دوسری چیز لینا جائز نہیں ہے، بلکہ یا تو صرف اپنی رقم واپس لے لے، یا بائع کو مہلت دے دے کہ جب وہ چیز مل جائے تو حوالہ کر دے۔

۳- بیع سلم میں خیارِ شرط یا خیار رویت نہیں ہو سکتا۔ البتہ بائع کیلئے ضروری ہے کہ وہ مبیع اُسی صفت (کوالٹی) کے مطابق حوالے کرے جو معاملے میں طے ہوئی تھی۔ اگر مبیع اُس صفت کے مطابق نہ ہو تو مشتری اُسے قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے، اور بائع کے ذمے لازم ہے کہ وہ اسی صفت کی چیز مہیا کرے۔ (۱)

استصناع (آرڈر پر مال تیار کرانا)

کسی کاریگر یا کارخانہ کو آرڈر دے کر مال یا کوئی چیز بنوانا جائز ہے۔ استصناع میں بیع سلم کی طرح پوری قیمت ایڈوانس دینے کی کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ اسمیں یہ سہولت ہے کہ اس میں ہر طرح طے کیا جاسکتا ہے یعنی خواہ پوری قیمت اس وقت ادا کی جائے جب مال تیار ہو جائے، یا ادھار اور قسطوں میں ادا کی جائے، یا پوری یا اس کا کچھ حصہ ایڈوانس طے کیا جائے۔

اسی طرح سامان کی تیاری کے لیے کوئی مدت مقرر بھی کی جا سکتی ہے، اور مطلقاً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اتنی قیمت میں فلاں سامان تیار کر دو۔

سامان کی تیاری میں اگر زیادہ تر خام مال بنانے والے یا کاریگر کا ہو گا، تو یہ "استصناع" کہلائے گا۔ اور اگر زیادہ تر یا سارا سامان بنوانے یا آرڈر دینے والے کا ہو گا،

(۱) الهداية جلد ۳ باب السلم ص ۷۰ تا ۷۶

تو یہ "اجارہ" کہلائے گا، یعنی اجرت پر کوئی کام کروانا۔ اور اس کی شرائط اس پر لاگو ہوں گی، جسکا بیان انشاءاللہ "کتاب الاجارہ" کے تحت آئے گا۔

چیز بنانے کے بعد آمر یعنی آرڈر دینے والے کو چیز دکھلانے سے پہلے کاریگر کو اختیار ہے کہ وہ چیز آمر کو دے یا نہ دے، بلکہ دوسری چیز بنا کر دے دے، یا انہی صفات کی کوئی چیز جو اُسکے پاس پہلے سے بنی ہوئی رکھی ہو، وہ دیدے۔ اور آمر کو دکھلانے کے بعد کاریگر کو اختیار نہیں ہے کہ وہ چیز اپنے لیے روک لے۔ نیز مال دیکھنے کے بعد آمر کو بھی اختیار نہیں کہ وہ بنی ہوئی چیز قبول نہ کرے، بشرطیکہ وہ اُن صفات کے مطابق ہو جو عقد میں طے ہوئی تھیں۔

جب تک وہ چیز جس پر استصناع کا معاملہ ہوا ہے، بن کر مشتری کے حوالے نہ ہو جائے، مشتری کیلئے جائز نہیں ہے کہ اُسے آگے فروخت کرے، کیونکہ قبضے سے پہلے بیع جائز نہیں ہوتی۔

آجکل مکانات یا فلیٹ کی بکنگ کا جو معاملہ ہوتا ہے، جس میں بنانے والا (کنسٹرکٹر) اپنی طرف سے میٹیریل لگا کر مکان یا فلیٹ بناتا ہے، یہ "استصناع" کا معاملہ ہے۔ لہٰذا جبتک وہ بک کرنے والے کے قبضے میں نہ آجائے، اُس کیلئے اُسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

---

(١) مجلة الأحكام العدلية ص ٧٥ الفصل الرابع في بيان الاستصناع المادة ٣٨٨ تا ٣٩٢

غرر کیا ہے؟

شریعت نے اپنے احکام میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ لین دین کے معاملات بالکل واضح اور شفاف ہوں، اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے جو بعد میں جھگڑوں کا سبب بن سکے۔ اس قسم کے ابہام کیلئے شریعت میں ایک اصطلاح ہے جو "غرر" کہلاتی ہے، اور لین دین کے جس معاملے میں بھی غرر ہو، وہ شریعت میں جائز نہیں ہوتا۔ اس لئے اسکی حقیقت سمجھنا بھی ضروری ہے۔

"غرر" کے لغوی معنی "دھوکہ" ہیں۔ لیکن اسلامی فقہ کی رو سے یہ اصطلاح درج ذیل چار قسم کے معاملات میں استعمال ہوتی ہے۔

۱۔ لین دین کے معاملے میں ایسا ابہام جو جھگڑے کا سبب بن سکتا ہو۔ اس سے مراد مختلف قسم کے معاملات مثلاً خرید و فروخت، کرایہ داری، شرکت، مضاربت ملازمت، ٹھیکہ داری، کاشتکاری (زراعت) وغیرہ میں معاملہ کا اسطرح مبہم ہونا کہ جو کسی بھی وقت باعثِ نزاع ہو سکتا ہو، مثلاً بیع میں قیمت نامعلوم ہو، یا خریدی ہوئی چیز کی مقدار یا جنس نامعلوم ہو، یا وہ متعین نہ ہو۔ یا مثلاً ادھار بیع ہوئی ہو، اور یہ طے نہ کیا گیا ہو کہ قیمت کب واجب الاداء ہو گی۔ اسی طرح یا کرایہ داری میں کرایہ یا ملازمت میں تنخواہ متعین نہ ہو۔ شراکت داری میں شرکاء کے نفع و نقصان کا تناسب (Ratio of profit) غیر متعین (نامعلوم) ہو۔ ٹھیکہ داری کی اجرت یا کاشتکار اور زمیندار کے درمیان یہ بات واضح نہ ہو کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا۔

۲۔ غرر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی چیز بیچے جسے مشتری کے حوالے کرنے پر وہ قادر نہ ہو، مثلاً کسی کی گھڑی گم ہوگئی، اور وہ گمشدہ گھڑی کسی کو بیچے، جبکہ خود اُسے معلوم نہیں کہ وہ ملے گی یا نہیں ملے گی۔

۳۔ غرر کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی بھی مالی لین دین میں کسی فریق کو کسی چیز کی ملکیت کا حصول کسی غیر یقینی (Uncertain) واقعے یا صورت حال پر معلق کردیا جائے۔ اسکی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) بیع کو کسی غیر یقینی واقعے سے مشروط کردیا جائے، مثلاً بائع یہ کہے کہ میں یہ گھڑی تمہیں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ میں امتحان میں پاس ہوجاؤں۔ چونکہ امتحان میں پاس ہونا غیر یقینی ہے، اس لئے یہ غرر ہے، اور ایسی بیع جائز نہیں ہے۔

(ب) کسی مالی معاملے میں ایک شخص کو معاوضہ ملنا یقینی اور دوسرے کو معاوضہ ملنا غیر یقینی ہو۔ مثلاً لاٹری، کہ لاٹری فروخت کرنے والے کو پیسے یقینی طور پر مل جاتے ہیں، لیکن لاٹری خریدنے والے کو معاوضہ ملنا غیر یقینی ہے، کیونکہ اگر لاٹری میں اُس کا نام نہ آیا تو اُسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے یہ معاملہ غرر اور حرام ہے۔ جوے یا قمار کی تمام صورتیں اس میں داخل ہیں۔ مروجہ انشورنس میں بھی غرر پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں ایک تجارتی کمپنی پریمیم کی متعین رقم وصول کرتی ہے، اور اُسکے معاوضے میں پریمیم دینے والے کو بدلہ ملنا غیر یقینی ہوتا ہے، چنانچہ یہ ہوسکتا ہے کہ اُسے کچھ بھی نہ ملے۔ البتہ اسکی جائز صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس معاملے کو تجارتی بنیاد کے بجائے لوگ امداد باہمی کے طور پر ایک فنڈ بنالیں جس سے نقصان اٹھانے والوں کی مدد کی جائے۔

قرضے کی فروختگی بھی غرر میں داخل ہے

غرر کی اسی قسم میں قرضے کی فروختگی (بیع الدین) بھی داخل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا قرضہ دوسرے پر واجب ہو تو وہ اپنا قرضہ کسی تیسرے شخص کو اُس سے نقد رقم لیکر بیچ دے، اور اُس سے یہ کہے کہ اتنی رقم تم مجھے ابھی دیدو، اور میرا جو قرضہ فلاں کے ذمے واجب ہے، وہ میرے بجائے تم اُس سے وصول کر لینا۔ اس قرضے کو فروخت کرنا بھی غرر اور سود کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ اگر قرضہ کو نفع کے ساتھ فروخت کیا جائے، یعنی اسمیں کٹوتی (Discounting) کی جائے کہ قرض تو مثلاً ایک ہزار کا تھا، اور بیچنے والے نے نوسو روپے میں بیچا تو یہ ربا کی وجہ سے ناجائز ہو گا، کیونکہ قرضہ پر نفع کا لین دین حرام ہے، اور اگر اسے اسکی اصل قیمت (Face value) پر فروخت کیا، یعنی ایک ہزار کے قرضے کو ایک ہزار ہی میں بیچا، تو اسمیں غرر ہے، کیونکہ بیچنے والے کو تو رقم یقینی طور پر مل گئی، لیکن جس نے خریدا، اُسے پتہ نہیں ہے کہ مقروض رقم دیگا یا نہیں دے گا، چنانچہ اگر مقروض (Debtor) نے قرضہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو قرضہ خریدنے والے نے جو قیمت ادا کی تھی، وہ بیکار چلی گئی۔ کیونکہ قرضے کی بیع میں قرضے کے خریدار کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ واپس بیچنے والے سے رجوع (Recourse) کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔

البتہ اگر معاہدے میں دونوں کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ اگر مقروض نے قرض ادا نہ کیا، اور اُس سے مایوسی ہو گئی تو خریدنے والا بیچنے والے سے اپنی رقم واپس لے سکے گا تو درحقیقت یہ قرضے کی بیع نہیں، بلکہ صرف حوالہ (Assigment)

ہے۔ اسکے احکام انشاء اللہ آگے آنے والے ہیں۔ ۴۔ غرر کی چوتھی صورت یہ ہے کہ معاملے کے دونوں فریقوں کو انکا معاوضہ ملنا غیر یقینی ہو۔ اسکی معروف صورت وہ ہے جسے "بیع الدین بالدین" کہا جاتا ہے، یعنی ایک قرضے کو دوسرے قرضہ کے بدلے فروخت کر دینا۔ مثلاً زید کا قرض خالد کے ذمے واجب ہے، اور عمر کا قرضہ حامد کے ذمے ہے۔ اب زید عمر سے کہتا ہے کہ میرا جو قرض خالد کے ذمے ہے، وہ میں تمہیں اس قرضے کے بدلے بیچتا ہوں جو تمہارا حامد کے ذمے ہے۔ اگر یہ بیع ہو جائے تو دونوں کو پتہ نہیں کہ انکے قرضے وصول ہونگے یا نہیں۔ اس طرح دونوں کو اپنے معاوضے مال کا حصول غیر یقینی (Uncertain) ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔

غرر کی مندرجہ بالا قسمیں کسی بھی تجارتی معاملے میں پائی جائیں گی، تو وہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔ آگے جن مختلف معاملات کا ذکر آنے والا ہے، انکے احکام بیان کرتے ہوئے ان میں غرر کی صورتوں کا تذکرہ انشاء اللہ آتا رہے گا۔

ربا کیا ہے؟

"ربا" کے لغوی معنی اضافے یا زیادتی کے ہیں، لیکن فقہ اسلامی میں "ربا" دو قسم کے معاملات میں ہوتا ہے۔ ایک قرض کے معاملے میں اور دوسرے بیع کے معاملے میں۔

قرض کے معاملے میں "ربا" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس شرط پر قرض دیا جائے کہ وہ قرض کی اصل رقم سے زیادہ واپس کرے گا۔ قرض پر یہ زیادتی جو پہلے

سے طے کر کے لی جائے "ربا" ہے جسے اردو میں سود کہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اس قسم کے ربا کا بہت رواج تھا، اور قرآن کریم نے اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا، اس لئے اسکو "ربا القرآن" یا "ربا الجاہلیۃ" بھی کہا جاتا ہے۔

"ربا" کی دوسری قسم ہم جنس چیزوں کے باہمی تبادلے میں ہوتی ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ مختلف چیزوں کے ہم جنس تبادلہ (Barter) کے معاملے میں کسی ایک طرف اضافے اور ادھار کو "ربا" قرار دے کر منع فرمادیا۔ وہ چھ اشیاء درج ذیل ہیں:

"گندم، جو، نمک، کھجوریں، سونا، اور چاندی"۔[1]

لہٰذا اگر گندم کو گندم کے عوض فروخت کیا جائے، تو دونوں طرف گندم کا برابر ہونا ضروری ہے۔ مثلاً ایک کلو گندم ایک کلو گندم کے عوض تو جائز ہے، لیکن ایک کلو گندم کی بیع دو کلو گندم کے عوض ناجائز ہے، کیونکہ ایک طرف جو ایک کلو زیادہ ہے، وہ "ربا" ہے۔ اسی طرح باقی پانچ اشیاء کا حکم بھی یہی ہے۔ بیع میں ربا کی اس قسم کو "ربا الفضل" کہا جاتا ہے۔[2]

دوسری صورت بیع میں ربا کی یہ ہے کہ اگر ان چھ اشیاء میں سے کسی ایک کو انہی میں سے کسی دوسری جنس سے فروخت کیا جائے، مثلاً گندم کو جو کے عوض، یا سونے کو چاندی کے عوض، تو اس صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ گندم ایک کلو ہو، اور جو دو کلو۔ لیکن ادھار ناجائز ہے، یعنی یہ ضروری ہے کہ سودا نقد ہو۔ اگر ایک کلو گندم

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۲۱۱ حدیث ۱۵۸۷

(۲) بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۱۸۳

دو کلو جو کے بدلے ادھار فروخت کی جائے تو یہ بھی "ربا" کی ایک شکل ہے۔اسکو "ربا النسیئۃ" کہتے ہیں۔[1]

"ربا الفضل" یا "ربا النسیئۃ" کی مذکورہ بالا صورتوں کو "ربا الحدیث" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اسکی حرمت حدیث کے ذریعے معلوم ہوئی ہے۔

"ربا الفضل" اور "ربا النسیئۃ" کی مذکورہ بالا صورتوں کی حرمت کی حکمت "ربا القرض" کا دروازہ بند (سدِ باب) کرنا ہے، کیونکہ یہ معاملات ربا القرض تک لے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

یہ ربا القرض کا سبب کیسے بن سکتے ہیں؟اس کو سمجھنے کے لئے یہ مدِ نظر رکھنا چاہئے کہ زمانہ قدیم میں لوگ روپے یا کرنسی کے بجائے سونے چاندی کے ذریعہ تجارت کیا کرتے تھے، اور اس سے بھی زیادہ قدیم زمانہ میں لوگ بارٹر یعنی اجناس کے تبادلے کی تجارت کرتے تھے۔ جب قرآن کریم کی رو سے "ربا" حرام قرار دیا گیا، تو اس کا مطلب لوگوں نے یہ سمجھا کہ صرف قرضہ کے معاملہ میں اضافہ لینا ناجائز ہے، یعنی اگر ایک سو دینار قرضہ دیا جائے تو قرضہ کی واپسی میں ایک سو دس کے بجائے صرف سو دینار ہی واپس لے سکتے ہیں، کیونکہ اضافی دس دینار "ربا" ہوگا، لیکن کوئی شخص اس کا حیلہ یہ نکال سکتا تھا کہ وہ سو دینار قرض دینے کے بجائے ایک سو دس دینار کے عوض فروخت کر دے، یا مثلاً اگر ایک سو دس دینار کی قیمت ایک ہزار درہم کے برابر ہو، تو وہ ایک سو دینار نقد کی فروختگی بارہ سو درہم ادھار کے ساتھ کرے۔ تو

---

(۱) بدائع حوالہ بالا

شریعت نے ان دونوں صورتوں کی خرید و فروخت کے معاملہ کو بھی ناجائز قرار دیدیا، تاکہ یہ سود کا ذریعہ نہ بن سکے۔

اسی طرح سونے چاندی کے علاوہ باقی چار اشیاء یعنی گندم، جو، نمک، اور کھجوروں میں بھی یہی حکم قرار دیا کہ اسمیں باہمی ہم جنس فروختگی میں اضافہ اور غیر ہم جنس تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے، کیونکہ لوگ سونے چاندی کے علاوہ ضرورت کی بنیادی چیزوں کو بھی تبادلے کے طور پر استعمال کرتے تھے، اس لئے یہ اندیشہ تھا کہ لوگ سودی حیلہ کے طور پر اس طرح تبادلہ کرسکتے ہیں، جیسا کہ پیچھے سونا چاندی کی مثال میں بیان کیا گیا۔

سونے چاندی کے علاوہ چار اشیاء میں باہمی ہم جنس تبادلہ کی صورت میں کوئی شخص یہ عقلی جواز نکال سکتا تھا کہ ایک طرف اعلیٰ قسم اور دوسری طرف ادنیٰ قسم کا تبادلہ کرے، اور یہ کہے کہ یہ اضافہ اس کی کوالٹی(Quality) کے عوض ہے مثلاً ایک کلو اعلیٰ قسم کی کھجوریں اور دوسری طرف دو کلو ادنیٰ قسم کی کھجوریں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان اشیاء میں کوالٹی کا اعتبار نہیں ہے، یعنی جس طرح سونے چاندی کے درہم اور دینار میں نئی پرانی یا کسی وصف کا اعتبار نہیں، اسی طرح ان اشیاء میں باہمی تبادلہ کے وقت ان اوصاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا ہم جنس تبادلہ کی صورت میں برابر برابر تبادلہ کیا جائے، البتہ غیر ہم جنس تبادلہ کی صورت میں اضافہ جائز ہوگا، لیکن ادھار ناجائز ہوگا، لہٰذا ایک کلو گندم دو کلو جو کی عوض یا دس دینار سو درہم کی عوض نقد تبادلہ میں جائز ادھار میں ناجائز ہونگی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوا کہ ربا الفضل کا حکم صرف ان چھ اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے یا ان کے علاوہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہے کہ چاول کی چاول کے ساتھ تبادلہ میں بھی اضافہ اور ادھار ناجائز ہے اگر اور اشیاء بھی اس حکم میں داخل ہوں تو وہ کیا معیار یا قدرِ مشترک ہے جس کی بنا پر دوسری مختلف اشیاء بھی اس حکم میں شامل ہونگی؟ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز اس حکم میں شامل ہوگی جسکی تجارت تول کر یا کسی پیمانے سے ناپ کر ہوتی ہو، لہٰذا عددی (Countable) اشیاء، جو گن کر بیچی جاتی ہیں، یا گز وغیرہ سے ناپ کر بیچی جاتی ہیں، وہ اس حکم سے خارج ہونگی، مثلاً چاول اس میں شامل ہوگا، کتاب شامل نہ ہوگی۔

ایسی چیزیں جن میں "ربا الفضل" یا "ربا النسیئہ" کے احکام لاگو ہوتے ہیں فقہ کی اصطلاح میں "اموال ربویہ" کہلاتی ہیں۔

بیع صرف

سونے یا چاندی کی بیع اگر سونے یا چاندی سے ہو، تو اُسے "بیع صرف" کہتے ہیں۔ اسکی تین صورتیں ہیں:

۱۔ سونے کی بیع سونے سے ہو۔ اسکے جائز ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دونوں طرف سونا وزن میں برابر ہو۔ اگر کسی ایک طرف وزن میں کمی بیشی ہوگی تو یہ ربا اور ناجائز ہے۔

۲۔ چاندی کی بیع چاندی سے ہو۔ اسکے جائز ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دونوں طرف چاندی برابر ہو۔ اگر کسی ایک طرف وزن میں کمی بیشی ہوگی تو یہ ربا اور ناجائز ہے۔

۳۔ سونے کی بیع چاندی سے ہو، تو انکے درمیان وزن میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک گرام سونا دس گرام چاندی سے بیچا جا سکتا ہے۔

لیکن ان تینوں صورتوں میں دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ سودا نقد ہو، ادھار نہ ہو، اور دوسرے یہ کہ جس مجلس میں بیع ہو رہی ہے، اسی مجلس میں بائع اور مشتری دونوں قبضہ کر لیں۔ مثلاً زید اپنا ایک گرام سونا خالد کو دس گرام چاندی کے بدلے بیچ رہا ہے، تو اسی مجلس میں زید دس گرام چاندی اپنے قبضے میں لے لے، اور خالد ایک گرام سونے پر اسی مجلس میں قبضہ کر لے۔ اگر سودا ادھار ہوا، یا ادھار تو نہیں، لیکن کسی ایک فریق نے مجلس میں قبضہ نہیں کیا، بلکہ یہ کہا کہ کسی اور وقت وصول کر لونگا، تو یہ ناجائز اور ربا کے حکم میں داخل ہے۔

یہ حکم سونے چاندی کی ڈلیوں کا بھی ہے، اور سونے یا چاندی سے بنے ہوئے زیور کا بھی ہے۔ لہٰذا اگر ایک سونے کے زیور کا دوسرے سونے کے زیور سے تبادلہ ہو رہا ہو، تو دونوں کا وزن برابر ہونا ضروری ہے، اور دونوں فریقوں کا اُسی مجلس میں زیوروں پر قبضہ لے لینا بھی ضروری ہے۔ یہی حکم اُس وقت بھی ہے جب چاندی کے زیور کا چاندی کے زیور سے تبادلہ کیا جا رہا ہو۔

پہلے زمانے میں سکے بھی سونے یا چاندی کے ہوتے تھے۔ سونے کے سکے کو دینار اور چاندی کے سکے کو درہم کہا جاتا تھا۔ انکے باہمی تبادلہ بھی بیع صرف میں داخل تھا،

اور اُس میں بھی مذکورہ بالا تمام احکام عائد ہوتے تھے۔ یعنی اگر درہم کا تبادلہ درہم کے ساتھ کیا جائے، یا دینار کا تبادلہ دینار کے ساتھ کیا جائے، تو اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔ مثلاً دس درہم کا تبادلہ بارہ درہم سے کیا جائے، تو اضافی دو درہم ربا ہوں گے، کیونکہ ان میں ربا الفضل کی یہ تعریف صادق آئیگی کہ: "هوالفضل الخالي عن العوض "یعنی ایسی زیادتی یا اضافہ ہے جو بغیر معاوضے کے ہو، کیونکہ دس درہم دس درہم کے عوض یا مقابلہ میں ہوئے، اور اضافی دو درہم بغیر کسی عوض کے، یہاں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اضافی دو درہم پہلے دس درہم کی کوالٹی (Quality) کے عوض ہیں، کیونکہ سکوں میں کوالٹی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ پرانا سکہ بھی اتنی ہی قیمت رکھتا ہے جتنی کسی نئے سکے کی ہوتی ہے، اور یہ بات ربا الفضل کے بیان میں گزر چکی ہے کہ دوسرے اموالِ ربویہ میں بھی شرعاً باہم تبادلے کے وقت کوالٹی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا دو اضافی درہم بغیر عوض کے ہونے کی وجہ سے "ربا" اور ناجائز ہیں، اور اگر درہم کا تبادلہ دینار سے کیا جائے تو اضافہ جائز ہے، لیکن ادھار ناجائز ہے، یعنی ۲۰ درہم ۱۰ دینار کے عوض فروخت کئے جا سکتے ہیں، لیکن ادھار ناجائز ہے۔ البتہ ان دونوں قسم کے معاملات میں دونوں طرف سے مجلس عقد (Place of contract) میں قبضہ (Possession) شرط ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے سکوں کے بارے میں یہی حکم بیان فرمایا ہے۔

کرنسی کی تجارت کا حکم

ہمارے زمانے میں چونکہ سونے چاندی کے سکے رائج نہیں رہے، اس لئے یہ سوال پیدا ہوا کہ موجودہ دور میں کرنسی نوٹ کی تجارت کا کیا حکم ہے ؟ کیا انہیں بھی باہم تجارت کرنے کو بیع صرف کہا جائیگا، حالانکہ وہ سونے چاندی کے نہیں ہوتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں تجارت موجودہ کرنسی نوٹوں کے بجائے سونے کے بنے ہوئے دینار یا چاندی کے درہم کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، اور یہ درہم اور دینار اس زمانے میں زرِ تبادلہ (Medium of Exchange) تھے، موجودہ دور میں ان کی جگہ کرنسی نوٹ نے لے لی ہے، اور اب ان کے پیچھے ان کی مالیت کا سونا یا چاندی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے بارے میں موجودہ زمانہ کے فقہاء کرام (Islamic jurists) کی دو مختلف رائیں ہیں، ایک رائے عرب ممالک کے علماء (Shariah Scholars) کی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں چونکہ کرنسی نوٹ نے مکمل طور پر زمانہ قدیم کے درہم اور دینار کی جگہ لے لی ہے، اور اب کرنسی نوٹ مکمل طور پر زمانہ قدیم کے درہم و دینار کی طرح آلۂ تجارت یا زرِ تبادلہ (Medium of Exchange) کی شکل اختیار کر گئے ہیں، لہٰذا ان پر بھی وہی احکام لاگو ہونگے جو پہلے درہم اور دینار کی تجارت پر ہوا کرتے تھے، اور انکے باہم تبادلے کو بھی صرف کہا جائے گا۔

چنانچہ عرب کے بیشتر علماء ان کرنسی نوٹوں کو سونے چاندی کے قائم مقام قرار دے کر یہ فرماتے ہیں کہ انکا باہم تبادلہ بھی بیع صرف کے حکم میں ہے، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کے باہمی تبادلہ کے وقت اضافہ بھی ناجائز ہے، اور ادھار بھی، البتہ دو مختلف ملکوں کی کرنسیوں میں تبادلہ کے وقت اضافہ تو جائز ہے، لیکن ادھار ناجائز ہے، اور مجلس عقد میں درہم یا دینار کی طرح دونوں کرنسیوں یا دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا بھی لازم ہوگا۔

دوسری طرف برصغیر کے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد جن میں میرے والد محترم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہم بھی داخل ہیں، انکی رائے یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے کرنسی نوٹ زمانۂ قدیم کے ان فلوس یا سکوں (Metal Coins) کی مانند ہیں جو دھات کے بنے ہوئے ہوتے تھے، اور ان کی قدر وقیمت (Value) تجارتی رواج یا حکومت کی مہر یا ٹھپہ کے ذریعہ متعین ہوتی تھی، بذات خود ان کے اندر ان پر تحریر یا کندہ شدہ قدر (Value) کی برابر انکی قدر وقیمت نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا موجودہ دور کے کرنسی نوٹ زمانۂ قدیم کے فلوس (دھاتی سکوں) کے مانند ہیں، جن کا حکم امام محمدؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک ہی جنس کے دو سکوں کے درمیان تبادلہ ہو تو کمی بیشی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں۔ البتہ اگر جنس مختلف ہو جائے تو کمی بیشی بھی جائز ہے، اور ادھار بھی۔

موجودہ کرنسی نوٹ اگر ایک ہی ملک کے ہوں، تو انکے باہمی تبادلے میں بھی کمی بیشی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں، البتہ ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی بھی جائز ہے، بشرطیکہ کم از کم ایک جانب پر ابھی

قبضہ ہو جائے، اور باہمی تبادلہ آج کے نقد (Spot) بازاری نرخ (Market value) پر ہونا چاہئے۔ لہٰذا پاکستانی روپے کا پاکستانی روپے سے تبادلہ ہو تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے کسی ایک طرف اضافہ ناجائز ہو گا، اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں عوض پر مجلس میں قبضہ کر لیا جائے۔

اور اگر پاکستانی روپے کا امریکی ڈالر سے تبادلہ ہو، تو کمی بیشی بھی جائز ہے، اور ادھار اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ تبادلہ آج کے نقد (Spot) بازاری نرخ (Market Value) پر ہو۔ تاکہ وہ سود کا ذریعہ نہ بن جائے۔[1]

باب الاجارۃ

"اجارہ" کسی چیز کو کرائے پر دینے کو بھی کہتے ہیں، (یعنی کوئی شخص اجرت کے عوض اپنی کوئی چیز دوسرے کو استعمال یا اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے دے)، اور اگر کوئی شخص اپنی خدمات (Services) کسی کو اجرت لے کر مہیا کرے، تو اس کو بھی "اجارہ" کہتے ہیں۔ پہلی قسم یعنی کسی چیز کو اجرت پر دینے کو فقہی اصطلاح میں "اجارۃ الاعیان" کہا جاتا ہے، جسے اردو میں کرایہ داری (Leasing, Tenancy) بھی کہتے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم یعنی خدمات فروخت کرنے کو فقہی اصطلاح میں "اجارۃ الاشخاص" اور اردو میں ملازمت یا مزدوری (Services contract or employment) کہا جاتا ہے۔

---

(۱) مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بحوث في قضايا فقهية معاصرة جلد ۱ ص ۱٤٦ أحكام الأوراق النقدية

اجارہ میں استعمال ہونے والے اصطلاحات کی تشریح

اجارہ میں مندرجہ ذیل اصطلاحات مستعمل ہوتی ہیں:

۱۔ "موجر" جو شخص چیز کرایہ پر دے۔ یہ بائع کی مانند ہے۔

۲۔ "مستاجِر" (Lessee) جو کرایہ پر چیز لے۔ یہ مشتری کی طرح ہے۔

۳۔ "مستاجَر" (Leased asset) جو چیز کرایہ پر لی گئی ہو۔

۴۔ "آجر" جو شخص اجرت پر کسی سے کام لے۔ یہ مشتری کی مانند ہے۔

۵۔ "اجیر" "مزدور" (Hired Servant) جو اجرت پر کام کرے۔

۶۔ "معقود علیہ" وہ منافع یا خدمات جن پر اجارہ کا عقد کیا جائے، مثلاً کرائے پر لئے ہوئے گھر کی رہائش، یا مزدور یا ملازم کا کام

۷۔ "اجرت" (Wages, fare, fee) کرایہ، تنخواہ یا مزدوری۔ یہ ثمن کی مانند ہے۔

۸۔ "اجرت مثل" کسی چیز کے استعمال یا کسی انسان کی خدمت کی جو اجرت عام طور سے بازار میں لی جاتی ہو۔

اجارہ اور بیع میں فرق

"اجارہ" کا عقد بھی بیع کی طرح ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بیع میں کسی چیز کو فروخت کیا جاتا ہے، جبکہ اجارہ میں چیز کا نفع یا کسی انسان کی خدمات فروخت کی جاتی ہیں۔ اجارہ کے بیع کی مانند ہونے کی وجہ سے اس کے احکام بیع کی طرح ہیں، مثلاً

ایجاب و قبول، مجلسِ عقد، شرائطِ صحت یا نفاذ وغیرہ میں وہی تفصیل ہے جو بیع میں بیان کی گئی ہے۔ البتہ چند مندرجہ ذیل امور میں فرق پایا جاتا ہے:

۱۔ اجارہ میں چیز کے بجائے کسی منفعت (یعنی استعمال یا فائدہ اٹھانے) پر عقد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا "اجارہ" صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ منفعت عقد کے وقت منفعت موجود ہو، مثلاً جو گھر کرائے پر دیا جارہا ہے، وہ موجود ہو، اور مؤجر اُسے استعمال کیلئے مستاجر کو حوالہ کرنے پر قادر ہو، نیز منفعت متعین ہو، چنانچہ اگر گھر کرائے پر دیا جارہا ہے تو وہ گھر معلوم ہو، اور یہ طے کیا جائے کہ وہ کتنی مدت تک اُسے استعمال کرے گا۔

۲۔ بیع میں جو چیز بیچی گئی ہے، بائع اُسے ایک مرتبہ دے کر فارغ ہو جاتا ہے، لیکن جو چیز کرائے پر دی جاتی ہے، اُسکی ساری منفعت مستاجر ایک مرتبہ وصول نہیں کرلیتا، بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ اُس سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، لہٰذا منفعت مستقل طور پر وجود میں آتی رہتی ہے۔

۳۔ بیع میں یہ ہوتا ہے کہ جب بیچنے والے نے اپنی کوئی چیز بیچ دی، اور مشتری نے اُس پر قبضہ کرلیا، پھر اُس میں کوئی عیب یا نقص پیدا ہو گیا تو بائع اُس کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ لیکن "اجارہ" میں جو چیز کرائے پر دی گئی ہے، اگر مستاجر کے قبضے کے بعد اُسکی کسی زیادتی کے بغیر اس کرایہ کی چیز میں عیب پیدا ہو جائے، تو اس کی وجہ سے کرایہ داری کا عقد ختم کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ بیع میں مبیع کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، لیکن کرایہ داری میں کرایہ دار اُس چیز کی ذات کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بعض منافع کا مالک ہوتا ہے۔

۵۔ بیع کے بارے میں پیچھے گذر چکا ہے کہ اُس کا فوری ہونا ضروری ہے، اُسے آئندہ کی کسی تاریخ پر معلق نہیں کیا جاسکتا، لیکن اجارہ کو مستقبل کی کسی تاریخ پر معلق کیا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہنا صحیح ہے کہ میں نے تمہیں آنے والے مہینہ کی دس تاریخ سے اپنا مکان کرایہ پر دیا۔ اس طرح کہنے سے کرایہ کا عقد لازم ہو جائے گا۔ اور مذکورہ تاریخ سے پہلے اسے یک طرفہ طور پر ختم کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اجرت اور کرایہ کا حساب مذکورہ تاریخ سے ہوگا۔

۶۔ کرایہ پر کوئی ایسی چیز نہیں دی جاسکتی جسے استعمال کرنے کے لیے اسے خرچ (Consume) کرنا پڑے، مثلاً پانی، پیٹرول، روپیہ، گندم وغیرہ۔

اجارہ کے کچھ احکام

۱۔ کرایہ داری میں عقد کے وقت اگر اس چیز کا کوئی فائدہ نہ ہو (اگرچہ بعد میں پیدا ہو جائے) تو اسے کرایہ پر دینا صحیح نہیں ہے۔ جیسے جانور کا بہت چھوٹا بچہ چونکہ سواری کے کام نہیں آسکتا، اس لئے اُسے کرائے پر دینا درست نہیں۔

۲۔ موجر اور آجر، مستاجر یا مزدور کو صراحۃً یا اشارتاً کسی بھی ناجائز کام کو نہیں کہہ سکتا، اور اگر مستاجر یا اجیر کوئی ناجائز کام کرے تو اسے منع کرنا ضروری ہے۔

۱۰۔ رائج کرنسی کے علاوہ کسی اور چیز یا خدمت کو بھی بطور کرایہ طے کیا جا سکتا ہے، مثلاً کوئی گھر کرائے پر لیا جائے تو اُسکی اجرت جس طرح روپیہ پیسہ ہو سکتی ہے، یہ بھی اجرت ہو سکتی ہے کہ مستاجر اپنی گاڑی مؤجر کو ایک خاص مدت تک استعمال کے لئے دیگا، یا ایک متعین مدت تک اُسکی کوئی خدمت انجام دے گا۔ البتہ جو چیز کرایہ پر دی جائے، ویسی ہی چیز کرایہ میں مقرر نہ کی جائے۔(ہدایہ)[1] مثلاً مکان کرایہ پر دیا، اس شرط پر کہ کرایہ دار کوئی ویسا ہی مکان اُسے استعمال کے لئے دے۔ اگر اس طرح اجرت طے کرلی، اور کسی ایک نے مکان سے فائدہ اٹھالیا، تو اُس پر اجرت مثل واجب ہوگی۔ یعنی عام طور سے اُس مکان کا جو کرایہ لیا جاتا ہو، اتنا کرایہ دینا لازم ہوگا۔

۱۱۔ جب "اجارہ" کا عقد کر لیا جائے تو وہ فریقین پر لازم ہو جاتا ہے، یعنی کوئی فریق اُسے یک طرفہ طور سے ختم نہیں کر سکتا، البتہ اگر کوئی واقعی عذر پیش آجائے جس کی بنا پر کسی فریق کے لئے اجارہ باقی رکھنا ممکن نہ رہے تو اُس عذر کی وجہ سے وہ اجارہ کو ختم کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس کام کے لیے عقد اجارہ کیا گیا، اگر وہ کام ہی ختم ہو جائے، تو پھر عقد اجارہ بھی یک طرفہ طور پر ختم کیا جا سکتا ہے یا مثلاً ولیمہ کی دعوت کے لیے باورچی بلایا تھا، لیکن دولہا یا دولہن کا انتقال ہو گیا، تو باورچی کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا وہ اس عذر کی وجہ سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، "اجارہ" یا تو کسی چیز کی منفعت پر یعنی اُسکے استعمال کیلئے ہوتا ہے جسے "اجارۃ الأعیان" کہتے ہیں، یا کسی انسان کی خدمات پر ہوتا ہے، جسے

---

(۱) الهداية جلد ۳ ص ۲۳۰

"اجارۃ الأشخاص" کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں جس منفعت یا خدمت پر اجارہ ہو، اُس کا تعین کرنا بھی کرایہ داری کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے، اور کرایہ کا تعین بھی۔ اور اگر کسی کی خدمات پر اجارہ کیا گیا ہے، یعنی اُسے ملازم یا مزدور رکھا گیا ہے تو اُس کے کام کی نوعیت اور اجرت کی تعیین ضروری ہے۔ اس میں کوئی ایسا ابہام نہ ہو جو نزاع یا جھگڑے کا سبب بنے۔

۱۳۔ منفعت کا تعین مدت بیان کرنے سے ہو سکتا ہے، مثلاً یہ گھر ایک سال کے لیے کرایہ پر دیا، اور خدمت کا تعین عمل کے بیان کرنے سے ہو سکتا ہے، جیسے کسی کو کپڑے سینے کے لیے دیے جائیں، یا اشارہ کرنے سے بھی خدمت کی تعیین ہو سکتی ہے، مثلاً کسی سامان کی طرف اشارہ کر کے مزدور سے کہا جائے کہ اسے اس جگہ سے دوسری جگہ تک اُٹھا کر لے جانا ہے۔

۱۴۔ بیع کی طرح اجارہ میں بھی خیار شرط، خیار عیب، اور خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے۔

اجیر کی قسمیں

اجیر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اجیر مشترک

۲۔ اجیر خاص

اجیر مشترک

اجیر مشترک سے مراد وہ اجیر ہے جو کسی ایک شخص کا کام کرنے کے لیے مخصوص نہ ہو، بلکہ مختلف لوگوں کے کام کرتا ہو، جیسے درزی، دلال، آرڈر پر کام کرنے والا، وکیل، آڈیٹر وغیرہ۔

اجیر مشترک کے احکام

۱۔ اس کی اجرت کام پر موقوف ہو گی۔ اگر پیشگی اجرت لے لی، اور کام نہیں کیا، تو اجرت واپس لی جائے گی۔

۲۔ کام کا کوئی وقت آجر کے لیے مخصوص نہیں ہوتا، البتہ اگر کام کسی خاص وقت تک مکمل کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، تو اس کی پابندی ضروری ہے۔

۳۔ اجیر مشترک کو جو چیز کام کے لئے دی گئی ہو تو اُسکی حفاظت اُسکی ذمہ داری ہے، اور اگر وہ ضائع ہو جائے تو اُس کا ضمان (تاوان) اُس پر عائد ہوتا ہے۔

اجیر خاص

"اجیر خاص" سے مراد وہ اجیر ہے جس کا کل وقت یا کچھ وقت ایک ہی شخص یا جماعت کے لیے مخصوص ہو۔ اگر مخصوص ہونا دائمی طور پر ہو، تو اسے ملازم کہا جاتا ہے، اور اگر دائمی طور پر نہیں ہے، تو اسے صرف "اجیر خاص" کہتے ہیں، جیسے مزدور، جو یومیہ اجرت پر کام کرتا ہے، یا کسی کا ذاتی ملازم۔

اجیر خاص کے احکام

۱۔ یہ صرف آجر کی بتائی ہوئی جگہ اور وقت میں حاضر رہنے اور طے شدہ کام کرنے سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے، خواہ اُس وقت کے استعمال کے نتیجے میں کام زیادہ ہو یا کم۔ لیکن جب تک خود کام نہ کرے (جبکہ آجر نے کام کرنے کے لیے کہا ہو) تو اجرت کا مستحق نہیں ہو گا۔ (مجلہ)[1]

۱۔ اجیر خاص آجر کے معیّن کردہ اوقات میں کسی دوسرے کی نوکری نہیں کر سکتا۔ (ہدایہ)[2] خواہ دوسری جگہ اجرت زیادہ مل رہی ہو۔

۲۔ اجیر خاص کو اُسکے کام کیلئے کوئی چیز حوالے کی گئی ہو، اور اُس نے قاعدے کے مطابق اُسکی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو، تو وہ اُسکے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

۳۔ اجیر خاص جو کسی خدمت کے لیے رکھا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ بوقت ضرورت موجود رہے اور جو کام اس کے سپرد ہو وہ کرے۔

کرایہ کی چیز کے احکام

۱۔ کرایہ کی چیز بھی دو قسموں کی ہو سکتی ہے۔ ایک خاص اور دوسری مشترک خاص وہ جس سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف کرائے پر لینے والے شخص کو ہو، مثلاً کوئی شخص پوری ٹیکسی کرائے پر لے لے، یا پورا مکان کرائے پر لے لے، یا کسی

---

(۱) مجلة الأحكام العدلية ص ۸۱

(۲) الهداية جلد ۳ ص ۲۴۳

ہوٹل میں کمرہ بک کرالے۔ایسی صورت میں اسکے استعمال کا حق اُسی کو ہوتا ہے، اور اگر وہ شخص اُسے آگے کسی کو کرائے پر دینا چاہے، تو اصل مالک یا مؤجر کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔اسی طرح جو چیز کسی کے ساتھ مخصوص ہو جائے، تو مؤجر کیلئے مستاجر کی اجازت کے بغیر اس میں کسی دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے کوئی پوری ٹیکسی کرایہ پر لے، تو ڈرائیور کے لیے جائز نہیں کہ وہ مستاجر کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو اس میں سوار کرے۔

اور مشترک چیز وہ ہے جسے کئی افراد نے مل کر یا علیحدہ علیحدہ کرائے پر لیا ہو، اور اُن میں سے ہر ایک کو اپنے حصے کے مطابق اُس سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہو، جیسے مسافر خانہ، ریل گاڑی، بس وغیرہ جس میں سیٹ بک نہ کرائی گئی ہو۔اس کا حکم یہ ہے کہ موجر جس کو چاہے، اس چیز کے منافع کسی کو معاوضہ پر دے کر ان منافع میں شریک کر سکتا ہے، پہلے سے جو مستاجر اس میں ہیں انہیں روکنے کا حق نہیں ہے، مثلاً بس کے کسی مسافر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اُس میں گنجائش کے مطابق کسی اور مسافر کو سوار کرنے سے روکے۔البتہ اس چیز میں اتنے زیادہ شریک کر لینا کہ شرکاء کو نقصان پہونچے، اور اُس چیز کے منافع پوری طرح حاصل نہ ہوں، تو یہ جائز نہیں ہے جیسے عرف و قانون کی خلاف ورزی کر کے بس میں زیادہ مسافر سوار کر لینا وغیرہ۔

ا۔ کرایہ کی چیز مستاجر کے پاس امانت ہوتی ہے۔اگر مستاجر نے اسے جان بوجھ کر ضائع کیا، یا اسے اس طرح استعمال کیا جس طرح اسے استعمال کرنے کا طریقہ عُرف و رواج میں نہیں ہے، یا اجارے کے وقت جو شرائط طے ہوئی

تھیں، مستاجر نے ان کی خلاف ورزی کی، تو ان تمام صورتوں میں مستاجر اس چیز کا ضامن ہو گا، یعنی اگر ایسے استعمال سے اُس چیز کو نقصان پہنچ گیا، تو اُس کا تاوان اُسے دینا پڑے گا۔

۳۔ کرائے کی چیز کیلئے ضروری ہے کہ اُس کا جائز استعمال ممکن ہو، لہٰذا جن چیزوں کا استعمال جائز نہیں ہے، انہیں کرائے پر دینا بھی شرعاً جائز نہیں، مثلاً موسیقی کے آلات کو گانے بجانے کے لئے کرائے پر دینا جائز نہیں۔ البتہ جن چیزوں کا جائز استعمال ممکن ہے، انہیں جائز استعمال کے لئے کرائے پر دینا جائز ہے، جیسے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر۔

اجرت اور کرایہ کا استحقاق

صرف اجارہ یا کرایہ داری کا عقد کر لینے سے اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا، بلکہ مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ہوتا ہے:

۱۔ عقد کرتے وقت اجرت پیشگی لینے کی شرط مقرر کر لی جائے۔

۲۔ اجرت بغیر شرط کے پیشگی دے دی جائے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر کرائے کی مدت پوری ہونے سے پہلے کسی وجہ سے کرایہ داری ختم ہو جائے، تو باقی ماندہ مدت کا کرایہ واپس کرنا مؤجر کے ذمے لازم ہے۔

۳۔ چیز کے منافع حاصل کر لیے جائیں، یا جس کام کے لئے اجارہ ہوا تھا، وہ کام پورا کر دیا جائے۔ (ہدایہ)[1]

---

(۱) الهداية جلد ۳ ص ۲۳۱ باب الأجر متى يستحق

گھر کرایہ پر لینے اور قبضہ کر لینے کے بعد سے کرایہ لازم ہو جائے گا، اگرچہ کرایہ دار اس گھر میں نہ رہے۔(ہدایہ)[1]

اجیر مشترک (مثلاً دھوبی یا درزی جو کئی لوگوں کا کام کرتا ہو) اس وقت تک اجرت لینے کا مستحق نہیں ہے جب تک کہ کام کو اس حد تک مکمل نہ کر دے جس حد تک عُرف میں مکمل ہونا سمجھا جاتا ہے۔(ہدایہ)[2]

اگر ابتدا میں اجرت طے نہیں کی، اور چیز کے منافع حاصل کر لیے، تو آخر میں اجرتِ مثل ثابت ہو گی۔(مجلہ)[3]

مؤجر جب کرایہ کی چیز مستاجر کے حوالے کر دے، اُسکے بعد ہی کرایہ لازم ہو گا، چیز حوالہ کرنے سے قبل موجر کرایہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر عقد میں ایڈوانس کرایہ طے کیا گیا ہے، تو مطالبہ کر سکتا ہے۔

اجیر کے عمل سے جو چیز تیار ہو اُسی کے کچھ حصے کو اجرت مقرر کرنا ناجائز ہے، جیسے دس کلو گندم پیسنے کے لیے اس شرط پر دیا کہ پسے ہوئے گندم میں سے ایک یا آدھ کلو پیسنے والے کو اجرت ملے گی،[4] البتہ اگر اُسی پسے ہوئے گندم کی شرط لگانے کے بجائے، مطلقاً ایک یا آدھا کلو گندم کو اجرت بنالیا جائے، کہ وہ کہیں سے بھی دیا جائے،

---

(۱) حوالہ سابقہ

(۲) الهداية جلد ۳ ص ۲۳۲

(۳) مجلة الأحكام العدلية ص ۸٤ المادة ٤۳۷

(۴) اسے مسئلہ قفیز طحان کہتے ہیں اس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ ہو شرح مشکل الآثار جلد ۲ ص ۱۸٦ حدیث (۷۰۹ تا ۷۱۱) طبع موسسة الرسالة بیروت، اور مسند أبي يعلى جلد ۲ ص ۳۰۱ حدیث (۱۰۲٤)، طبع دار المأمون للتراث دمشق، اور الهداية جلد ۳ ص ۲٤۰

تو یہ جائز ہے۔ اگر اجیر کے عمل سے تیار ہونے والی چیز میں سے کچھ حصے کو اجرت میں طے کیا، تو اجرت مثل واجب ہوگی۔ [1]

مالِ غیر متقوم (ایسا مال جسکی شریعت میں کوئی قیمت نہ ہو) جیسے شراب اور خنزیر اسے اجرت بنانا جائز نہیں ہے۔ [2]

ناجائز کرایہ داری

کرایہ داری کے ناجائز ہونے کی مختلف صورتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اگر عاقدین میں سے کسی میں اہلیت نہ ہو، مثلاً ان میں سے کوئی ایک بالکل چھوٹا بچہ ہو، یا پاگل ہو، تو کرایہ داری باطل ہوگی، اور اجرت بھی لازم نہیں ہوگی۔ البتہ اگر وقف یا یتیم یا مجنون کا مال کرایہ پر دیا ہو تو اجرتِ مثل لازم ہوگی۔ [3]

۲۔ کسی گناہ کے کام پر کرایہ داری کا عقد ناجائز ہے جیسے گانا بجانے، چوری کرنے، بُت سازی، تصویر کشی کرنے، شرک و کفر یا حرام کام کے لیے کسی سے اجارہ کیا جائے، تو ان سب صورتوں میں اجرت لازم نہیں ہوگی، اور اس سے بچنا واجب ہے۔ اور جو کچھ اس میں کمایا، وہ حرام ہے۔ اسکو لوٹانا یا صدقہ کرنا واجب ہے۔ [4]

---

(۱) الهداية جلد ٣ ص ٢٤٠

(٢) البحر الرائق جلد ٨ ص ٣ تحت قوله: ما صح ثمنا صح أجرة اور بدائع الصنائع جلد ٤ ص ١٩٣ فصل في أنواع شرائط ركن الاجارة

(٣) مجلة الأحكام العدلية ص ٨٧ المادة ٤٥٨-٤٥٩

(٤) الهداية جلد ٣ ص ٢٣٨

٣۔ کرایہ داری کے صحیح ہونے کے لیے جو شرائط مذکور ہوئی ہیں، ان میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے کرایہ داری ناجائز ہو جائے گی، اور اگر مستاجر نے فائدہ اٹھالیا ہو تو اجرت مثل لازم ہو گی، یعنی بازار میں اُس چیز یا کام کی عام طور سے جتنی اجرت لی جاتی ہے، اتنی اجرت دینا لازم ہو گا۔[1]

٤۔ ایسے نیک کام جو کسی پر فرض اور واجب ہیں جیسے فرائض اسلام، اطاعت والدین و حاکم یا ایسا کام جس میں صرف آخرت کا ثواب مقصود ہوتا ہے دوسروں کا اس میں کوئی فائدہ نہ ہو جیسے تسبیح، تلاوتِ قرآن، نفل نماز وغیرہ ایسے نیک کاموں پر کرایہ داری کا عقد کرنا ناجائز ہے اور اجرت لینا جائز نہیں ہے۔[2]

٥۔ ایسی چیز کو کرایہ پر دینا جس کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو جیسے روپے یا کھانا کرایہ پر دینا جائز نہیں اور اسکی اجرت حلال نہیں۔[3]

٦۔ جن وجوہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے عموماً ان سے کرایہ داری بھی فاسد ہو جاتی ہے، اور اگر مستاجر نے فائدہ اٹھالیا ہو تو اجرت مثل لازم ہوتی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل صورتیں شامل ہیں:

(الف) اجرت میں یا منافع یا کام میں ابہام ہو، مثلاً گاڑی کرایہ پر لی، اور اجرت طے نہیں کی۔ البتہ جہاں رواج ہو کہ ٹیکسی کے میٹر سے کرایہ متعین ہو جاتا ہو، تو وہاں زبان سے کرایہ طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(ب) مسلمان کے لیے شراب یا خنزیر کو اجرت بنایا۔

---

(١) مجلة الأحكام العدلية ص ٨٧ المادة ٤٦٠، ٤٦١

(٢) رد المحتار جلد ٦ ص ٥٥ مطلب في استئجار على الطاعات

(٣) بدائع الصنائع جلد ٤ ص ١٧٥ و الفتاوى الهندية ج ٤ ص ٤٥٣

(ج) مزدور یا ملازم کے ذمے وقت اور کام دونوں محدود کردے، کہ مثلاً اتنے وقت میں اتنا کام کردو۔ اگر وقت متعین ہو، لیکن کام مشروط نہ ہو، بلکہ اندازے کے طور پر کہا گیا ہو کہ اس وقت میں اتنا کام ہو جانا چاہئے، پھر اگر ملازم یا مزدور اپنا پورا وقت خرچ کر کے بھی کام مکمل نہ کر سکے، تو اُس کی اجرت میں کمی نہ کی جائے، تو جائز ہے۔

۷۔ اگر موجر نے یہ شرط لگائی کہ کرایہ کی چیز اگر خود بخود نا قابل استعمال ہو جائے تو اُسکی مرمت کر کے دوبارہ قابل استعمال بنانا مستاجر کے ذمہ ہے۔

۸۔ ہر وہ شرط جو جھگڑے کا سبب بنے، یا جو کرایہ داری کے عقد کے خلاف ہو، اور اُس سے مؤجر یا مستاجر کا کوئی فائدہ ہو، اُس سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، مثلاً موجر مستاجر پر یہ شرط لگائے کہ مستاجر اُسے قرض دے گا۔[1]

دلالی

مباح کام کی دلالی (کمیشن ایجنٹ بنا) جائز ہے، اور اس کی اجرت اگر طے ہو گئی تو وہ لازم ہے۔ (در مختار)[2]

دلّال کی اجرت مقرر ہونی چاہیے۔ اگر اجرت طے نہیں کی، اور دلّال عام طور سے اجرت پر کام کرتا ہے، تو وہ "اجرت مثل" کا مستحق ہو گا، یعنی اُس جیسی دلالی کی جو اجرت عام طور پر بازار میں لی جاتی ہے، وہ اُسے دی جائیگی۔

---

(۱) الفتاوى الهندية جلد ٤ ص ٤٣٩

(۲) الدر المختار مع رد المحتار جلد ٦ ص ٦٣، مطلب في أجرة الدلال.

دلّال جب تک کام نہ کرلے، اجرت کا مستحق نہیں ہوتا، اگرچہ کافی محنت کرے۔ نیز دلّال سے کام کا تقاضا کرنا جائز ہے۔ (ہدایہ)۔

اجارہ کا بطور تمویل استعمال

یہ بات یاد رہے کہ اجارہ بذاتِ خود کوئی تمویل کا طریقہ (Mode of Financing) نہیں ہے بلکہ یہ اور عقود کی طرح سادہ عقد ہے، جس میں کسی چیز کی منفعت مخصوص کرایہ پر دی جاتی ہے لیکن موجودہ دور میں بہت مالیاتی ادارے (Financial Institutions) اسے سودی کاروبار کے متبادل کے طور پر استعمال کررہے ہیں اور اس کو تمویلی اجارہ (Financial Lease) کہا جاتا ہے۔ یہ عام کرایہ داری (Operating Lease) کے عقد سے مختلف ہوتا ہے، اسکا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جب کمپنی کو جامد اثاثوں (Fixed Assets) مثلاً مشینری وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے تو کمپنی بینک سے قرض لے کر خود مشینری خریدنے کے بجائے بینک یا مالیاتی ادارے کو یہ کہتی ہے کہ یہ مشینری خرید کر ہمیں کرایہ پر دیدو۔ چنانچہ بینک یا مالیاتی ادارہ اسے خرید کر کرایہ پر دیدیتا ہے۔ اس دوران مشینری کا مالک بینک یا مالیاتی ادارہ ہی ہوتا ہے اور کمپنی مستاجر (Lessee) ہونے کی حیثیت سے اسے استعمال کرتی رہے گی۔ ایک مخصوص مدت کے لیے کرایہ طے کرتے وقت عموماً یہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ اتنی مدت کے لیے اگر یہ رقم قرض دی جائے تو اسپر جتنا سود مل سکتا تھا وہ وصول ہو جائے، جب یہ مدت گذر جاتی ہے، اور کرایہ کی شکل میں مشینری کی قیمت بمع معینہ شرح سود ادا ہو جاتا ہے، تو اب یہ معینہ مشینری کی

خود بخود کمپنی (مستاجر) کی ملکیت بن جاتی ہے۔ یہ بات کبھی معاہدہ میں لکھی ہوتی ہے اور کبھی لکھی نہیں ہوتی، البتہ معروف یہی ہے۔ عموماً قرض کے بجائے اجارہ کا طریقہ اختیار کرنے کے دو فائدے اضافی حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ اسکی وجہ سے بعض اوقات ٹیکس سے بچت ہو جاتی ہے۔

۲۔ قرض کی وصولیابی کے لیے اجارہ کا طریقہ قرض دینے کے بہ نسبت زیادہ باعثِ اعتماد ہے، کیونکہ اجارہ میں مشینری موجر (Lessor) کی ملکیت ہوتی ہے اور اسپر اسی کا لیبل لگا رہتا ہے، اگر بالفرض رقم نہ ملی تو موجر کو کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے کہ مشینری اسکی ملکیت میں برقرار ہے۔

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آجکل عموماً اجارے (Conventional Lease) کے معاملات شرعی اجارہ سے مختلف ہیں، کیونکہ ان میں شرعی لحاظ سے اجارہ کی حقیقت موجود نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ اجارہ میں جو بھی چیز کرایہ پر دی جاتی ہے وہ موجر کی ملکیت اور رسک میں رہتی ہے، مگر موجودہ دور میں تمویلی اجارہ (Financial Lease) میں عملاً ایسا نہیں ہوتا، اور موجر (Lessor) اس مشینری کی کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ اگر کسی ناگہانی آفت یا حادثہ میں وہ مشینری تباہ ہو جائے تب بھی مستاجر (Lessee) کرایہ دیتا رہتا ہے۔ اور موجر کا تعلق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مستاجر کی طرف سے عدم ادائیگی کی صورت میں موجر اسے فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے۔ لہذا آجکل عموماً حقیقی اجارہ نہیں ہوتا اصل مقصد تو سود پر قرض دینا ہی ہوتا ہے۔ مگر ٹیکس سے بچت اور دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

لیکن اگر حقیقت میں موجر مشینری کا مالک اور ذمہ دار بن کر ایہ داری کا معاملہ کرے تو جائز ہے، اور کرایہ مقرر کرتے وقت اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ مشینری کی قیمت بمع کچھ اضافی نفع کے وصول ہو جائے، تو اس میں بھی شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔ مگر معاہدے میں یہ شرط نہیں لگانی چاہیے، کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر مشینری خود بخود مستاجر کی ملکیت بن جائے گی، کیونکہ اس میں صفقۃ فی صفقۃ یعنی ایک سودے پر دوسرا سودا کرنا لازم آجائے گا، البتہ سابقہ شرط کے بغیر مدت ختم ہونے کے بعد اسکی طرف ملکیت منتقل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اس کے لیے بینک سے وعدہ بھی لیا جاسکتا ہے۔

وکالت

کوئی کام دوسرے کے سپرد کرنا، یا اُس کو اُس کام کے لئے اسے اپنا قائم مقام بنانا وکالت (Agency یا power of attorney) کہلاتا ہے، جو شخص کام سپرد کرے، وہ موکل (Principal) اور جسکو کام سپرد کیا جائے، اسے وکیل (Agent یا attorney) کہتے ہیں۔

وکالت بھی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتی ہے،۔ البتہ "وکالت" یا "وکیل بنانے" کا لفظ استعمال کرنا ضروری نہیں، بلکہ یہ کہنے سے بھی وکالت منعقد ہو جاتی ہے کہ "میں تمہیں اپنی طرف سے فلاں کام کرنے کی اجازت دیتا ہوں"۔

وکالت کی قسمیں

وکیل کو موکل کی طرف سے جو اختیارات ملتے ہیں: انکے اعتبار سے وکالت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ وکالت عامہ (General Power of Attorney) یعنی کسی شخص کو موکل کی طرف سے ہر قسم کا کام کرنے کی اجازت ہو، مثلاً کسی گھر کے بارے میں اُسے مکمل اختیار دینا کہ چاہے وہ اُسے بیچے، یا گروی رکھے، یا اُسے کرائے پر دے۔

۲۔ وکالت خاصہ (Special Power of Attorney) یعنی موکل کی طرف سے وکیل کو صرف ایک متعین کام کرنے کی اجازت ہو، مثلاً کسی کو اپنا مکان بیچنے کے لئے وکیل بنانا۔ اس صورت میں اُسے بیچنے کے سوا کوئی اور کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۳۔ وکالت مطلقہ (Absolute power of Attorney) یعنی وہ وکالت جس میں موکل نے وکیل کو کوئی کام کرنے کی اجازت غیر مشروط طور پر دی ہو، اور وکالت کا اختیار حاصل ہونے کے لئے کسی پیشگی شرط کا پایا جانا ضروری نہ ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میرا فلاں مکان بیچ دو۔

۴۔ وکالت معلقہ (Conditional Power of Attorney) یعنی وہ وکالت جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو، مثلاً وکیل سے یہ کہنا کہ "اگر میں اس شہر سے چلا جاؤں تو تم میرا مکان بیچ دینا۔

۵۔ وکالت موقتہ، یعنی وہ وکالت جس میں موکل نے وکیل کو ایک خاص وقت تک کوئی کام کرنے کا پابند بنایا ہو، یا اُس کی اجازت دی ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میرا یہ مکان ایک مہینے کے اندر بیچ سکتے ہو، تو بیچ دو۔ اس صورت میں اگر مہینہ گذر گیا اور وکیل مکان نہ بیچ سکا، تو وکالت ختم ہو جائیگی، اور وکیل کو اُس کے بیچنے کا اختیار نہیں رہے گا۔

وکیل بنانے کی شرائط

جو شخص کسی دوسرے کو جس کام کے لیے وکیل بنائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی اس کام کے کرنے پر قادر ہو۔ لہذا نابالغ بے سمجھ بچہ اور مجنون شخص کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ البتہ نابالغ سمجھ دار بچہ اپنے ایسے امور کے لیے وکیل بنا سکتا ہے جس میں اس کا فائدہ ہی فائدہ ہو، جیسے تحفہ قبول کرنا۔ اور جن امور میں نفع و نقصان دونوں ہیں، مثلاً بیع، ان میں اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر وکیل نہیں بنا سکتا۔ (ہدایہ)[1]

عاقل اور سمجھ دار شخص وکیل بن سکتا ہے، بالغ ہونا شرط نہیں ہے، اگر سمجھ دار بچہ وکیل بنا، تو عقد کے حقوق اس کے موکل سے متعلق ہوں گے۔

تمام معاملات اور مقدمات کے لیے وکیل بنایا جا سکتا ہے۔

وکالت کے احکام

ا۔ مندرجہ ذیل معاملات میں ضروری ہے کہ وکیل انہیں اپنے موکل کی طرف منسوب کرے، یعنی جس شخص سے اپنے موکل کا قائم مقام بن کر یہ معاملات

(۱) الهداية جلد ۳ ص ۱۳۷

کر رہا ہے، اُسے صاف صاف بتائے کہ میں یہ معاملات اپنے لئے نہیں بلکہ فلاں شخص کی طرف سے کر رہا ہوں۔ اگر ان معاملات کو اپنی طرف منسوب کرے گا تو یہ معاملات اسی کے ساتھ قائم ہو جائیں گے اور موکل کے لیے کوئی حکم ثابت نہیں ہو گا۔[1] وہ معاملات یہ ہیں:

نکاح، خلع، ھبہ، صدقہ، اعارہ (عاریت پر دینا) گروی (رہن) رکھوانا، قرض دینا، شرکت، مضاربت، انکار کے بعد صلح،[2] اور ایسے قاتل سے صلح کرنا جس نے عمداً قتل کیا ہو۔

۲۔ مندرجہ ذیل معاملات ایسے ہیں کہ ان میں وکیل کے لئے یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی کا قائم مقام بن کر یہ معاملات کر رہا ہے، لہٰذا ان معاملات کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں بھی اسی پر راجع ہوں گی، چنانچہ اگر موکل کی طرف سے بیع کی ہے، اور خریدار کو نہیں بتایا کہ میں کس کی طرف سے بیع کر رہا ہوں، تو خریدار سے قیمت کا مطالبہ کرنے کا حق بھی وکیل ہی کو ہو گا، اور خریدار کو بیچی ہوئی چیز حوالے کرنے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہو گی۔

البتہ اگر وکیل نے ان معاملات کو موکل کی طرف منسوب کیا، اور بتادیا کہ میں یہ معاملہ فلاں شخص کی طرف سے کر رہا ہوں، تو تمام حقوق اور ذمہ داریاں موکل کی طرف راجع ہوں گی، اور وکیل معاملہ کرنے کے بعد اجنبی ہو جائے گا۔

---

(۱) ملاحظہ ہو بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۳۳

(۲) انکار کے بعد صلح کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً خالد نے زید پر دعویٰ کیا کہ میری اتنی رقم تمہارے ذمے ہے، زید نے انکار کیا، لیکن عدالت میں مقدمہ بازی سے بچنے کے لئے مدعی سے صلح کرنا چاہا اور اس کام کے لئے عمر کو اپنا وکیل مقرر کر دیا کہ تم خالد سے میری صلح کرا دو کہ وہ اتنے پیسے لے کر مقدمہ بازی سے دست بردار ہو جائے۔ اب اگر عمر خالد سے بات کرے گا تو اُسے یہ بتانا ضروری ہو گا کہ میں یہ بات زید کی طرف سے کر رہا ہوں۔

وہ معاملات یہ ہیں:

خرید و فروخت، کرایہ پر دینا، اور اقرار کے بعد صلح کرنا[1]۔

۳۔ وکیل کے پاس وکالت کی حیثیت سے جو مال ہوتا ہے وہ امانت کے حکم میں ہوتا ہے، مثلاً کسی کو کپڑا بیچنے کے لئے دیا تو وہ کپڑا وکیل کے پاس امانت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ وکیل کی کسی زیادتی یا کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے تو اُس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا، لیکن اگر اُس نے حفاظت میں کوتاہی کی، تو تاوان آئے گا۔

۴۔ اگر قرض وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنا کر بھیجا اور وکیل نے قرض پر قبضہ کر لیا، پھر وہ قرض موکل کے پاس پہونچنے سے پہلے راستہ میں ضائع ہو گیا، تو مقروض بری ہو جائے گا۔ لیکن اگر مقروض نے اپنے وکیل کے ذریعہ قرض بھجوایا، اور وہ راستے میں ضائع ہو گیا، تو مقروض بری نہیں ہو گا۔

۵۔ اگر دو شخصوں کو ایک ساتھ کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا وکیل بنایا، تو یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں باہمی مشورے سے کام کریں، ان میں سے کسی ایک کو تنہا اپنی رائے سے بیچنا یا خریدنا کرنا درست نہیں۔ دوسرے معاملات میں بھی یہی حکم ہے۔ البتہ امانت واپس کرنے یا قرض ادا کرنے کا وکیل دو آدمیوں کو اکٹھے بنایا ہو، تو ان میں سے کوئی ایک بھی یہ کام کر سکتا ہے۔

---

(۱) اقرار کے بعد صلح کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً خالد نے زید پر دعویٰ کیا کہ میری اتنی رقم تمہارے ذمے ہے، زید نے اقرار کر لیا، لیکن مدعی سے صلح کرنا چاہا اور اس کام کے لئے عمر کو اپنا وکیل مقرر کر دیا کہ تم خالد سے میری صلح کرا دو کہ وہ اتنے پیسے لے کر اپنے مطالبے سے دست بردار ہو جائے۔ اب اگر عمر خالد سے بات کرے گا تو اُسے یہ بتانا ضروری نہیں ہو گا کہ میں یہ بات زید کی طرف سے کر رہا ہوں۔

۶۔ لیکن اگر پہلے ایک شخص کو وکیل بنایا، اس کے بعد دوسرے کو وکیل بنایا تو تمام معاملات میں دونوں میں سے کوئی بھی وکالت کا کام سر انجام دے سکتا ہے۔

۷۔ وکیل موکل کی اجازت کے بغیر اس کام کے لیے کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا جس کام کے لیے وہ خود وکیل ہے، سوائے اس کے کہ موکل نے یہ کہہ دیا وہ کہ تم اپنی مرضی سے جو چاہو کرو۔

۸۔ اگر وکیل نے کام کرنے کے لیے اجرت لینے کی شرط لگائی، اور موکل نے اُسے منظور کر لیا، تو وہ کام کرنے کے بعد طے شدہ اجرت کا مستحق ہوگا، اور اُس پر اجارہ کے احکام جاری ہونگے۔ اور اگر اس نے اجرت لینے کی شرط نہیں لگائی، اور نہ اجرت پر یہ کام کرنا اسکا پیشہ ہے، تو وہ رضاکارانہ طور پر احسان کرنے والا ہوگا، اور وہ اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

وکیل برائے خریداری کے احکام[1]

۱۔ اگر کوئی چیز خریدنے کے لیے وکیل بنایا، تو ضروری ہے کہ چیز کی جنس وصفت اور مقدار وغیرہ بیان کر دی جائے، تاکہ وکیل اس کے مطابق چیز خریدے۔ اس صورت میں اگر وکیل نے مذکورہ جنس کے خلاف چیز خریدی تو اس کا فعل موکل پر نافذ نہیں ہوگا۔ اگر چیز کی مکمل صفت بیان نہیں کی، لیکن جنس بیان کر دی، اور وکیل کو عام اختیار دے دیا، تو یہ وکالت صحیح ہے، اور وکیل جو چیز خریدے گا، موکل کے لیے اسے قبول کرنا ضروری ہوگا۔

---

(۱) الفتاوى الهندية جلد ۳ ص ۵۷۳ الباب الثاني في التوكيل بالشراء

۲۔ اگر چیز خریدنے کا حکم دیا، لیکن اس کی کوئی خاص صفات بیان نہیں کیں، اور چیز ایسی ہے کہ اس کی مختلف اقسام میں بہت زیادہ فرق ہے، تو یہ وکالت صحیح نہیں جیسے حکم دیا کہ میرے لیے گاڑی یا کپڑا یا گھر خریدو، اور یہ بیان نہیں کیا کہ کس قسم کی گاڑی یا کپڑا خریدنا ہے۔

۳۔ وکیل کو جیسا حکم دیا جائے، اُسے حکم کے مطابق کام کرنا چاہیے، اور موکل کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر وکیل نے موکل کی بیان کردہ صفت کے خلاف کوئی چیز خریدی، اب اگر وہ مخالفت موکل کے فائدہ میں ہے، مثلاً وکیل کی بیان کردہ صفت سے اعلیٰ صفت کی چیز یا اس کی بیان کردہ قیمت سے کم قیمت میں چیز خریدلی، تو وکیل مخالفت کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ مخالفت موکل کے نقصان میں ہے، تو اس صورت میں وکیل کا فعل موکل کے لیے نافذ نہیں ہوگا۔

۴۔ جس شخص کو خریداری کا وکیل بنایا ہو، وہ نقد کرنسی کے عوض چیز خرید سکتا ہے، کسی اور چیز، مثلاً کپڑے، کے عوض موکل کے لیے چیز نہیں خرید سکتا۔

۵۔ جب کسی شخص کو کسی متعین چیز کی خریداری کیلئے وکیل بنایا ہو، مثلاً یہ کہا ہو کہ فلاں گاڑی جو فلاں جگہ کھڑی ہے، میرے لئے خریدلو، تو وکیل کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ چیز اپنے لیے خریدے۔ اگر وہ چیز وکیل نے اپنے لیے خریدی، تب بھی وہ چیز موکل کی ہوگی، سوائے اسکے کہ موکل کی بیان کردہ قیمت سے زیادہ میں چیز خریدے، یا بہت زیادہ مہنگی خریدے۔

۶۔ وکیل برائے خرید خود اپنا مال موکل کے لیے نہیں خرید سکتا۔ لہٰذا اگر اپنا مال موکل کو بیچنا ہو، تو وکالت کے بجائے اُس کو براہ راست یہ کہے کہ میں اپنا فلاں مال تمہیں بیچتا ہوں، پھر موکل اُسے قبول کرلے تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

۷۔ اگر وکیل برائے خرید نے موکل کے لیے اپنی طرف سے قیمت دے کر چیز خریدی ہے، تو وہ موکل سے اداشدہ قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور جب تک وہ قیمت نہ دے، خریدی ہوئی چیز اس کو دینے سے روک سکتا ہے۔ البتہ اگر وکیل نے موکل سے قیمت کی وصولی کے لیے وہ چیز اپنے پاس روکی، اور پھر وہ چیز وکیل کے پاس ضائع ہوگئی، تو وکیل ضامن ہوگا، یعنی اُسے تاوان دینا ہوگا۔

۸۔ وکیل برائے خرید موکل کی اجازت کے بغیر خریدی ہوئی چیز کو فروخت نہیں کر سکتا۔

۹۔ ایک شخص ایک ہی چیز کو بیک وقت دو مختلف افراد کی جانب سے خریدنے اور فروخت کرنے کا وکیل نہیں ہو سکتا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ زید کے پاس ایک گاڑی ہے، اُس نے عمر کو اُسے بیچنے کا وکیل بنایا۔ دوسری طرف خالد نے بھی عمر کو وکیل بنایا کہ وہ گاڑی میرے لئے خرید لو۔ اب عمر دونوں کا وکیل بن کر بیک وقت اُسی گاڑی کو بیچنے اور خریدنے کی کارروائی نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شخص ایک ہی چیز کا بائع بھی ہو، اور مشتری بھی۔

وکیل برائے فروخت[1]

۱۔ وکیل برائے فروخت کے لئے ضروری ہے کہ موکل کی چیز مناسب دام پر فروخت کرے، اگر موکل نے چیز کی قیمت مقرر کر دی، اور وکیل نے اس سے کم دام پر چیز فروخت کی، بعد میں موکل نے اسے قبول نہیں کیا، تو وکیل کو یا بیع ختم کرنی ہوگی، یا وہ اس نقصان کا ضامن (ذمہ دار) ہوگا۔

۲۔ وکیل برائے فروخت موکل کی چیز خود تو نہیں خرید سکتا، نیز ان لوگوں کو بھی فروخت نہیں کر سکتا جن کے حق میں اس کی گواہی مقبول نہیں، جیسے ماں باپ، اولاد اور میاں بیوی۔ البتہ اگر انہیں موکل کے مقررہ دام سے زیادہ میں فروخت کیا، تو فروخت صحیح ہوگی۔

۳۔ اگر موکل نے وکیل بناتے وقت نقد فروخت کرنے کی صراحت کی ہو تو اس کی مخالفت کرتے ہوئے ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اُس نے نقد قیمت پر بیچنے کی صراحت نہ کی ہو، تو وکیل موکل کا مال نقد بھی بیچ سکتا ہے، اور اتنی مدت کے ادھار پر بھی فروخت کر سکتا ہے جتنی مدت تک وہ مال عرف عام میں تاجر ادھار فروخت کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ مدت پر ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

وکیل نے موکل کی چیز فروخت کرنے کے بعد اگر قیمت وصول نہیں کی، تو وکیل کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی طرف سے قیمت ادا کرے البتہ وکیل قیمت کی وصولی کے لیے خریدار سے ضامن اور رہن کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية جلد ٣ ص ٥٨٨ الباب الثالث في الوكالة بالبيع

۴۔ موکل بھی چیز کی قیمت خریدار سے وصول کر سکتا ہے، اگرچہ قیمت وصول کرنا وکیل کا حق ہے۔

۵۔ وکیل نے اگر اجرت کے عوض بیچنے کا کام کیا ہے، جیسے عام طور پر دلّال کرتے ہیں، تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ خریدار سے قیمت وصول کر کے موکل کے حوالہ کرے، اور اگر بلا اجرت کام کیا ہے، تو اسے قیمت کی وصولی کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ وکیل اپنے موکل سے کہہ سکتا ہے کہ تم خود قیمت وصول کرلو۔ چونکہ بیع کے حقوق اور ذمہ داریاں وکیل پر ہوتی ہیں، اس لئے ایسی صورت میں فقہ کی اصطلاح میں یوں کہا جائے گا کہ وکیل نے اپنے موکل کو قیمت کی وصولی کے لیے وکیل بنادیا ہے۔

٦۔ موکل نے اگر کوئی اور ہدایت نہ دی ہو، تو وکیل موکل کی چیز کو رائج کرنسی کے علاوہ کسی دوسری چیز کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔

وکالت کا اختتام یا وکیل کو معزول کرنا[1]

۱۔ وکیل کو وکالت کے جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں، انکے اختتام کو وکیل کی معزولی کہا جاتا ہے۔ موکل وکیل کو کسی وقت بھی معزول کر سکتا ہے، لیکن جب تک وکیل کو اپنے معزول ہونے (یعنی وکالت ختم ہونے) کا علم نہ ہو، وہ معزول نہیں ہو گا۔

---

(۱) ملاحظہ ہو الفتاوی الھندیة جلد ۳ ص ٦٣٦ الباب التاسع فیما یخرج به الوکیل عن الوکالة

۲۔ موکل کی موت سے، موکل کے مجنون ہونے سے اور (العیاذ باللہ) موکل کے مرتد ہو کر کافروں کے ملک میں چلے جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ نیز وکیل کی موت اور اسکے مجنون ہونے سے بھی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

۳۔ اگر وکیل کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق ہو جائے، مثلاً وکیل نے موکل کے قرض کی وجہ سے کوئی چیز رہن رکھوائی ہے، تو موکل اسے اس وقت تک معزول نہیں کر سکتا جب تک کہ صاحبِ حق اس پر راضی نہ ہو جائے، نیز اس صورت میں موکل کی موت سے بھی وکالت ختم نہیں ہو گی۔

۴۔ وکیل خود اپنے آپ کو وکالت سے کبھی بھی معزول کر سکتا ہے، لیکن اگر دوسرے کا حق اس سے متعلق ہو، تو اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب تک موکل کو اس کی معزولی کا علم نہ ہو وہ معزول نہیں ہو گا۔

۵۔ وکیل نے اگر وہ کام کر دیا جس کے لیے وہ وکیل بنا تھا تو خود بخود وکالت ختم ہو جائے گی۔

۶۔ وکالت وارث کی طرف منتقل نہیں ہوتی، اور وکیل کی موت کے بعد اس کا وارث قائم مقام نہیں بن سکتا۔

کفالت یعنی ضامن بننا (Guarantee)

"کفالت" کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص پر کسی چیز کی جو ذمہ داری ہے، کوئی دوسرا شخص وہ اپنے سر بھی لے لے۔ جو شخص یہ ذمہ داری لیتا ہے، اسے "کفیل" (Guarantor) کہتے ہیں، جس شخص کی ذمہ داری لی جاتی ہے اسے "مکفول عنہ"

(Guaranteed person) کہتے ہیں۔ جس شخص کے لیے کفالت لی جاتی ہے، اُسے "مکفول لہ" اور جس ذمہ داری کی کفالت کی جاتی ہے، اُسے "مکفول بہ" کہتے ہیں۔ مثلاً خالد کے ذمہ زید کے ایک لاکھ روپے ہیں، اور ماجد نے خالد کی طرف سے کفالت لی کہ اگر خالد نے ادا نہیں کیے، تو میں ادا کروں گا۔ تو اس مثال میں ماجد کفیل (Guarantor)، خالد مکفول عنہ، زید مکفول لہ اور ایک لاکھ روپے مکفول بہ ہیں۔

کفالت کی اقسام(۱)

کفالت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جان کی کفالت

۲۔ مال کی کفالت

جان کی کفالت

اس سے مراد یہ ہے کہ عدالت میں کسی شخص کے بارے میں ضمانت لینا کہ اس شخص کو جب عدالت طلب کرے گی، تو میں اسے حاضر کروں گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عدالت کے مطالبہ پر کفیل مکفول عنہ کو عدالت میں حاضر کر دے۔ اگر کفیل اسے عدالت میں حاضر کر دے تو وہ بری ہو جائے گا۔ خواہ بعد میں وہ مکفول عنہ شخص بھاگ جائے۔ اور اگر کفیل نے مطالبہ پر مکفول عنہ کو حاضر نہیں کیا، تو عدالت کفیل کو اُس وقت تک قید کر سکتی ہے، جب تک مکفول عنہ حاضر ہو جائے۔ لیکن کفیل کو مکفول عنہ کے بدلے سزا نہیں دے گی۔

---

(۱) الهداية جلد ۳ ص ۸۷

مال کی کفالت

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کے ذمے دوسرے کا جو مال ہو، کفیل اس مال کی ادائیگی کی ضمانت لے۔

"کفالت" کی پیشکش کرنے سے کفالت منعقد ہو جاتی ہے، البتہ مکفول لہ یعنی صاحب حق اس کفالت کو رد کرنا چاہے، تو رد کر سکتا ہے۔

کفیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو۔ لہذا نابالغ اور مجنون کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔

کفالت مکفول عنہ یعنی مقروض شخص کی لاعلمی میں بھی منعقد ہو جاتی ہے، نیز جس مال کی کفالت لی گئی ہے، اس کی مقدار کا معلوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

قرض خواہ اپنے مال کا مطالبہ مقروض اور کفیل دونوں سے کر سکتا ہے۔
کفالت کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا بھی جائز ہے، مثلاً کفیل یہ کہے کہ فلاں تم سے جو کچھ خریدے، اس کی قیمت کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، یا فلاں شخص نے اگر تمہارا کوئی مال غصب کیا، تو وہ میرے ذمہ ہے۔

نیز کفالت کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا بھی جائز ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں آئندہ مہینے کے شروع سے فلاں شخص کی ضمانت لیتا ہوں۔ ایسی صورت میں وقتِ مقررہ سے پہلے کفیل سے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

اگر مقروض شخص کے کہنے پر کوئی شخص کفیل بنا ہو، تو کفیل کو یہ حق ہے کہ وہ صاحب حق کو جو کچھ ادا کرے، بعد میں اصل مقروض سے مطالبہ کرے کہ میں

نے تمہارا اتنا قرض ادا کیا ہے، وہ تم مجھے ادا کرو۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے کفیل بنا تھا، مقروض نے اُس سے نہیں کہا تھا کہ میری کفالت لو، تو ایسی صورت میں اُسے مقروض سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ مقروض کو چاہئے کہ وہ خود بعد میں کفیل کو وہ مال دیدے جو اس نے ادا کیا تھا، ایسی صورت میں کفیل کے لیے لینا جائز ہے۔

کفیل جب تک صاحبِ حق کو مال ادا نہ کرے، اس وقت تک مقروض سے خود مال کا مطالبہ نہ کرے۔ (ھدایہ)

اگر صاحبِ حق نے مقروض شخص کو معاف کر دیا، یا مقروض نے خود مال ادا کر دیا، تو کفیل بھی بری ہو جائے گا، لیکن اگر صاحبِ حق نے کفیل کو بری کیا تو مقروض بری نہیں ہو گا۔ (ہدایہ)

ہر وہ حق جو کفیل سے وصول کرنا ممکن نہیں ہے، اس کی کفالت بھی صحیح نہیں ہے، جیسے حدود و قصاص، کیونکہ مکفول عنہ کے کسی جرم کی وجہ سے اُس کے بدلے کفیل کو سزا دینا ممکن نہیں ہے۔

حوالہ [1]

دوسرے کے دین یا قرض کی ذمہ داری لینے کا ایک اور معاملہ "حوالہ" ہے، "حوالہ" سے مراد اپنی مالی ذمہ داری دوسرے کے سپرد کر کے اپنے آپ کو بری

(۱) ملاحظہ ہو الھدایة جلد ۳ ص ۹۹، ۱۰۰ کتاب الحوالة

کرلینا ہے۔ مثلاً زید کے ذمے عمر کا قرض ہے، اور خالد کے ذمے زید کا قرض ہے۔ اب زید عمر سے کہتا ہے کہ تم یہ قرض میرے بجائے خالد سے وصول کر لینا، اور اب میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں، اور خالد بھی اس پر راضی ہو جاتا ہے، تو یوں کہا جائے گا کہ زید نے اپنے قرض کا خالد پر حوالہ کر دیا۔

"حوالہ" میں تین فریق ہوتے ہیں، چنانچہ جو اصل مقروض تھا، وہ "محیل" کہلاتا ہے، اور جو اصل قرض خواہ تھا، وہ "محتال" اور جس کی طرف قرض ادا کرنے کی ذمہ داری منتقل ہوئی، وہ "محتال علیہ" کہلاتا ہے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں زید محیل ہے، عمر محتال ہے، اور خالد محتال علیہ ہے۔ حوالے کے صحیح ہونے کے لئے ان تینوں کی رضامندی ضروری ہے۔ (قدوری)

جب تینوں کی رضامندی سے کسی شخص نے اپنا قرض دوسرے کے حوالے کر دیا، تو اب قرض خواہ محیل (یعنی اصل مقروض شخص) سے مطالبہ نہیں کر سکتا، بلکہ صرف اسی شخص (یعنی محتال علیہ) سے مطالبہ کرے گا جس نے اپنے ذمہ قرض لے لیا ہے، لیکن تین صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں قرض خواہ اصل مقروض سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے:

۱۔ حوالہ لینے والا (یعنی محتال علیہ) حلفیہ حوالے سے یا قرض دینے سے انکار کر دے، اور قرض خواہ کے پاس قرض یا حوالہ کا کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہو۔

۲۔ حوالہ لینے والے شخص کا مفلسی کی حالت میں انتقال ہو جائے۔

۳۔ حوالہ لینے والے کو عدالت اس کی زندگی میں دیوالیہ قرار دے دے۔

ان تینوں صورتوں میں اصل قرض خواہ اصل مقروض سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ تم نے مجھے قرض وصول کرنے کے لئے جس شخص کے حوالے کیا تھا، اب میرے پاس اُس شخص سے قرض وصول کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا، لہٰذا اب تم ہی وہ قرض ادا کرو۔

شراکت داری (Partnership)

شراکت داری یا شرکت کی دو قسمیں ہیں:

شرکت ملک (Joint Ownership)

ا۔ "شرکتِ ملک" یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد کسی چیز کے مشترک طور پر خریدنے، یا مشترک تحفہ ملنے، یا میراث کی وجہ سے اس چیز کے مالک ہو جائیں۔ "شرکت ملک" میں شریکوں کے حصے الگ الگ تقسیم شدہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ مجموعے کی ملکیت میں فی صد کے حساب سے شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مکان کا پچاس فی صد حصہ ایک شریک کا ہے، اور پچاس فی صد دوسرے کا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ہر شریک دوسرے شریک کے حصے میں اجنبی کا حکم رکھتا ہے، چنانچہ کوئی شریک دوسرے فریق کی اجازت کے بغیر اس کے حصے میں تصرف نہیں کر سکتا، یعنی اُس کے حصے کو نہ بیچ سکتا ہے، نہ کرائے پر دے سکتا ہے۔ اور ہر شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کو فروخت کر سکتا ہے، کرایہ پر دے سکتا

ہے۔ نیز اگر شرکاء کو تکلیف نہ پہنچے تو اپنا حصہ کسی اجنبی کو فروخت کر سکتا ہے، اور کرایہ پر بھی دے سکتا ہے۔

مشترک مال کے منافع اور نقصانات شرکاء کے درمیان ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہوں گے۔ مثلاً ایک مکان میں دو آدمی آدھے آدھے شریک ہیں، اور دونوں کی مرضی سے وہ مکان کرائے پر دیدیا گیا، توجو کرایہ وصول ہو گا، وہ دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہو گا، اور اگر اُسکی مرمت کی ضرورت پڑی تو اُسکے اخراجات بھی دونوں کو برابر اٹھانے ہونگے۔ (ہدایہ)

اور اگر تقسیم کئے بغیر شرکاء اُسے خود استعمال کرنا چاہتے ہوں، تو وہ آپس میں رضامندی سے استعمال کا جو طریقہ بھی چاہیں، طے کر سکتے ہیں، مثلاً مشترک مکان کے ایک حصے میں ایک رہے، اور دوسرے میں دوسرا، یا استعمال کیلئے باریاں مقرر کرلیں۔

شرکتِ عقد (Partnership on Contract)

"شرکت عقد" یہ ہے کہ دو یا کئی افراد کوئی مشترک کاروبار کرنا باہمی رضامندی سے طے کریں۔ شرکاء کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ دو افراد میں بھی شرکت ہو سکتی ہے، اور دو سے زیادہ افراد میں بھی۔

شرکتِ عقد کی قسمیں

شرکت عقد کی کئی قسمیں ہیں:

۱-شرکت اموال

شرکتِ اموال یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد اپنا متعین سرمایہ اس شرط پر لگائیں کہ ان میں سے ہر ایک یا بعض افراد کام کریں گے اور نفع دونوں میں مشترک ہو گا۔

۲-شرکتِ اعمال

یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد مل جل کر لوگوں کا کام اجرت پر کریں، جیسے درزی، بڑھئی، اور جو آمدنی ہو، وہ آپس میں طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کریں۔ اسے "شرکت صنائع" بھی کہتے ہیں،

۳-شرکت وجوہ

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں شریکوں میں سے کوئی بھی اپنا سرمایہ نہیں لگاتا، لیکن دونوں اپنے تعلقات اور اثر و رسوخ (Credibility) کی بنیاد پر لوگوں سے ادھار لے کر کاروبار کرتے ہیں، اور جو نفع ہوتا ہے، وہ طے شدہ شرح سے تقسیم کرتے ہیں۔

شرکت اموال کے احکام

شرکت اموال میں شرکاء اپنا اپنا سرمایہ ملا کر کاروبار کرتے ہیں۔ ہر ایک کے سرمائے کو اُس کا "راس المال" کہا جاتا ہے۔ اس میں اصل طریقہ یہ ہے کہ تمام شرکاء اپنا سرمایہ نقدی کی صورت میں مہیا کریں، اور ہر ایک کا حصہ متعین ہو، مثلاً آدھا یا چوتھائی یا تہائی۔ اگر سرمایہ نقدی میں نہ ہو، بلکہ سامان ہو، تو اس میں اس

شرکت کے تین طریقے ہیں:

(الف) ایک فریق دوسرے سے کہے کہ میں نے اپنے سامان کا ایک چوتھائی تمہارے مال کے تین چوتھائی سے بدلا، بشرطیکہ دونوں ہم جنس یا قدر نہ ہوں۔ پھر اس مشترک مال کو شرکت کا سرمایہ بنالیا جائے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ پورے سامان کی بازاری قیمت لگا کر مشترک سرمایہ میں دونوں کا تناسب طے کیا جائے، اور پھر مشترک ملکیت اس تناسب سے قائم کی جائے۔ اسے آجکل تنضیض حکمی (Constructiv liquidation) بھی کہتے ہیں۔

(ج) سارا سامان بازار میں فروخت کر کے نقدی میں تبدیل کر کے اس میں شرکت کی جائے۔ اسے تنضیض حقیقی (Actual liquidation) کہا جاتا ہے۔

۲۔ اگر کرنسی کو سرمایہ مقرر کیا جائے، تو شرکت قائم کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کرنسی کو حاضر بھی کیا جائے، بلکہ کرنسی کی متعین مقدار اپنے ذمہ میں لینے سے شرکت منعقد ہو جائے گی۔ پھر جب کاروبار شروع ہو تو ہر فریق اپنا سرمایہ حسب ضرورت لگاتا ہے۔

۳۔ ہر شریک دوسرے کا وکیل اور امین ہوتا ہے۔ لہذا نابالغ بچے اور مجنون کی شرکت صحیح نہیں ہے، البتہ انکے سرپرست انکی طرف سے شرعی احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے شرکت کا معاملہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ شرکت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شرکاء کے درمیان نفع کی تقسیم کی شرح بیان کردی جائے، یعنی یہ واضح کردیا جائے کہ کونسا شریک نفع کے کتنے فی صد حصے کا حق دار ہوگا۔ اگر اس میں ابہام (Confusion) ہوگا تو شرکت فاسد ہو جائے گی۔

۵۔ یہ ضروری ہے کہ حاصل ہونے والا نفع تمام شرکاء میں مشترک ہو، اور ہر فریق کا حصہ اُس نفع میں سے مقرر کیا جائے، جیسے پچاس فیصد، چالیس فیصد وغیرہ۔ لیکن مال کی ایک معین مقدار، جیسے نفع میں سے ایک ہزار روپے، کسی شریک کے لیے مقرر نہ کی جائے کہ وہ ایک ہزار روپے اس شریک کو ضرور ملیں۔ اگر اس طرح کوئی مقدار مقرر کی گئی تو شرکت فاسد ہوگی۔

۶۔ اسی طرح لگائے گئے سرمایہ کے کسی حصہ کو نفع مقرر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر یہ طے کیا کہ ہر شریک کو اس کے سرمایہ کے دس فیصد کے برابر نفع ملے گا، تو بھی شرکت فاسد ہو جائے گی، اور ایک طرح سے یہ سود ہوگا۔

۷۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شریک نے جتنے فی صد سرمایہ لگایا ہے، اتنا ہی فی صد وہ نفع میں بھی شریک ہو، لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شریک کا مال زیادہ ہو، لیکن نفع میں اس کی شرح کم ہو، اور دوسرے شریک کا مال کم ہو، اور نفع میں اس کی شرح زیادہ ہو۔ مثلاً کسی نے پچیس فی صد سرمایہ لگایا ہے، تو ضروری نہیں ہے کہ اُس کے لئے نفع کا بھی پچیس فی صد ہی طے کیا جائے، بلکہ باہمی رضامندی سے نفع کا پچیس فی صد سے کم یا زیادہ بھی طے کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کسی نے شرکت کے معاہدے میں یہ طے کر لیا ہو کہ وہ کاروبار کا کوئی کام نہیں کرے

گا، اور سارا کام دوسرا شریک کرے گا، تو اُس صورت میں اُس کا نفع اُس کے لگائے ہوئے سرمائے کے تناسب سے زیادہ طے نہیں کیا جاسکتا، مثلاً اُس نے بیس فی صد سرمایہ لگایا ہے، تو نفع کا پچیس فی صد اُس کیلئے طے کرنا جائز نہیں ہے، البتہ کم یعنی پندرہ فی صد طے کیا جاسکتا ہے۔

یہ طے کرنا ضروری ہے کہ ہر شریک نفع کے ساتھ نقصان میں بھی شریک ہوگا۔ نقصان سارا کا سارا کسی ایک کے ذمے رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شریک نقصان کی صورت میں اپنے سرمائے کے تناسب سے شریک ہو، مثلاً اُس نے چوتھائی سرمایہ لگایا تھا، تو نقصان کا چوتھائی حصہ اُسکے ذمے ہوگا۔ چوتھائی سے کم یا زیادہ نقصان اُس کے ذمے طے کرنا جائز نہیں ہے۔

شرکت کا مال شرکاء کے پاس امانت ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ کسی شریک کی کسی زیادتی کے بغیر ضائع ہو جائے، تو اُس پر تاوان نہیں آتا، لیکن اگر اُس نے حفاظت میں کوتاہی کی ہو، یا معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو، تو اُس پر تاوان آئے گا۔

- شریک شرکت کا کام کرنے پر کوئی اجرت وصول نہیں کرسکتا۔
- کسی شریک کو یہ حق نہیں کہ جس کاروبار میں شرکت کی ہے، اس میں اپنا کوئی ذاتی کام کرے، یا کسی دوسرے کا اس میں وکیل بنے۔
- اگر ایک شخص مختلف شراکتی اداروں سے منسلک ہو، تو جس شراکتی ادارے کے لیے جو کام کرے گا، وہ کام اسی ادارے کی طرف منسوب ہوگا، الّا یہ کہ دوسرے شراکتی ادارے کے لیے کام کرنے کا کوئی قرینہ یا اشارہ موجود ہو۔

۱۳۔ اگر کسی شریک نے شرکت کے لیے غبنِ فاحش کے ساتھ خرید و فروخت کی، (یعنی اتنی قیمت پر کوئی چیز خریدی یا بیچی جو بازاری قیمت سے اتنی زیادہ یا کم ہو کہ اُس چیز کا کوئی تاجر بھی اُسے درست قرار نہ دے،) تو یہ بیع یا خریداری شرکت کے لیے نہیں ہوگی، بلکہ اُسی شریک کی ذاتی خرید و فروخت سمجھی جائیگی۔

۱۴۔ ہر شریک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ شرکت کے لیے تجارت کے وہ تمام امور جو تاجروں میں رائج ہوں، انجام دے۔ البتہ شرکت کے مال کے ساتھ اپنا ذاتی مال نہیں ملا سکتا، اور دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی اور سے نہ شرکت کر سکتا ہے، اور نہ مال قرض دے سکتا ہے۔ ادھار فروخت کرنے اور قرض دینے میں یہ فرق ہے کہ نقد روپیہ کسی کو قرض دیدے، یہ دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ البتہ شرکت کا مال کسی کو اتنی مدت تک ادھار فروخت کرنا جائز ہے جتنی مدت تک اُس قسم کی تجارت میں ادھار فروختگی تاجروں کا معمول ہو۔

وہ امور جن سے شرکت فاسد ہو جاتی ہے

مندرجہ ذیل امور سے شرکت فاسد ہو جاتی ہے:

۱۔ شرکت اموال کے احکام میں جو باتیں اوپر نمبر ۲ سے ۸ تک بیان کی گئی ہیں، انکی خلاف ورزی میں شرکت کا معاہدہ طے کرنا۔

۲۔ دو شخص اپنی اپنی چیز لا کر اس کے ذریعہ کوئی کام کر کے پیسے حاصل کریں، تو شرکت نہیں ہوگی، مثلاً ایک شخص کی دوکان ہو، اور دوسرے کا مال ہو، اور وہ

دوکان میں بیٹھ کر مال فروخت کرے، اور نفع میں دونوں شریک ہوں، تو یہ شرکت فاسد ہے۔ ایسی صورت میں تمام نفع تجارت کرنے والے کا ہو گا، اور صاحب دوکان کو اسکی دوکان کی اجرت ملے گی۔

جب شرکت فاسد ہو جائے تو نفع ہر شریک کو اس کے سرمایہ کے بقدر ملے گا، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح نقصان بھی سرمایہ کے بقدر تقسیم ہو گا۔

شرکت و مضاربت کے معاملات میں غرر

غرر کا تعارف بیع کے احکام میں گذر چکا ہے۔ شرکت کی مندرجہ ذیل صورتیں بھی غرر میں داخل اور ناجائز ہیں:

۱۔ شرکاء کے نفع کا تناسب معلوم نہ ہو، یعنی شرکت کے کاروبار میں یہ طے نہ ہو کہ کس شریک کو نفع کا کتنا فی صد حصہ ملے گا۔

۲۔ ایک شریک کا نفع متعین اور دوسرے کا غیر متعین ہو۔ مثلاً زید اور خالد کے درمیان مشترک کاروبار ہو، اور زید یہ کہے کہ جو کچھ آمدنی ہو گی، اُس میں سے ایک لاکھ میں لونگا، باقی خالد کا ہو گا۔ اس طرح خالد کا حصہ متعین نہیں ہوا، کیونکہ اگر کل نفع ایک لاکھ یا اُس سے کم ہوا تو اُسے کچھ نہیں ملے گا۔

۳۔ مشترکہ سرمایہ کاری کا تناسب (Ratio of inverstment) معلوم نہ ہو، یعنی یہ پتہ نہ ہو کہ کس نے کتنا سرمایہ لگایا۔

شرکت اعمال

شرکت اعمال میں شرکاء کوئی ایسا مشترک کاروبار کریں جس میں لوگوں کی کوئی خدمت اجرت لیکر مہیا کی جاتی ہے، مثلاً کپڑے سینے کی خدمت، یا کپڑے دھونے کی خدمت۔ اور جو کچھ آمدنی ہوتی ہے، وہ شرکاء کے درمیان طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔

مختلف پیشہ ور بھی آپس میں مل کر شرکت اعمال کی بنیاد پر ایک شراکتی ادارہ قائم کرسکتے ہیں۔

اس قسم کی شرکت میں جب کسی سے کوئی خدمت انجام دینے کا معاملہ کیا جائے، تو اُس کام کی ذمہ داری ہر شریک پر ہوتی ہے، اور کام کرانے والا دونوں میں سے جس سے چاہے، کام کا مطالبہ کرسکتا ہے، کیونکہ ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے، لہٰذا چاہے کام کسی ایک شریک کو دیا ہو، لیکن دوسرے شریک سے بھی کام کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، اور کام کی اجرت کسی بھی شریک کو دی جاسکتی ہے۔

چونکہ کام کے ذمہ دار دونوں شریک ہوتے ہیں، اس لئے نفع کی تقسیم اس بنیاد پر نہیں ہوتی کہ کس نے کتنا کام کیا، بلکہ کام کی ذمہ داری کے بقدر یا حسبِ قرار داد ہوگی، یعنی آمدنی کا فی صد حصہ شرکاء باہمی رضامندی سے طے کرسکتے ہیں۔

اگر یہ طے کیا کہ ہر شخص جتنا کام کرے گا، اتنی آمدنی لے گا، تو یہ شرکت نہیں، بلکہ ہر ایک کا انفرادی کام کہلائے گا۔ اور اگر کام اکٹھا شروع کردیا، اور یہ طے نہ

کیا کہ کس کو آمدنی کا کتنا حصہ ملے گا، تو یہ شرکت فاسد ہو گئی، اور پھر ہر شخص کو اپنے کام کی آمدنی مل جائیگی۔

شرکتِ وجوہ

چند آدمی اس طرح شرکت کریں کہ وہ اپنی ذاتی وجاہت و تدبیر سے ادھار لے کر مال لیں گے، پھر تجارت کریں گے، اور نفع آپس میں تقسیم کریں گے۔ اس میں بھی ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔

خریدے ہوئے مال کی قیمت ہر ایک پر اس کے حصے کے بقدر واجب ہو گی۔

اگر شروع میں یہ طے کیا کہ جو چیز بھی خریدی جائے گی، وہ نصف نصف ہو گی۔ تو ہر ایک چیز کی نصف قیمت ہر ایک پر واجب ہو گی، اور نفع بھی نصف تقسیم ہو گا۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح نقصان بھی ہر شریک پر اس کے ضمان کے بقدر آئے گا۔

شرکت کو ختم کرنا (Termination)

شرکت خود بخود ختم ہونے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ مشترک کاروبار کا جتنا مال ہے، وہ سب فروخت ہو کر نقدی میں تبدیل ہو چکا ہو، اور اُس نقدی کو شرکاء آپس میں طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کر لیں۔

لیکن اگر تمام شرکاء چلتے ہوئے کاروبار کے دوران شرکت کو ختم کرنا چاہیں، تو ان کے ختم کرنے سے شرکت ختم ہو جائے گی۔ اور تمام شرکاء کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ:

(الف) شرکت کے ذمے جتنے قرضے ہیں، یا دوسروں کی واجب الاداء (Dues) رقمیں ہیں، وہ ادا کر دی جائیں۔

(ب) ان معاہدوں کی تکمیل کا انتظام کر دیا جائے جو شرکت کے ذمے تھے۔

(ج) شرکت کا تمام مال، خواہ جنس کی صورت میں ہو، یا نقدی کی شکل میں، اسی طرح دوسرے لوگوں سے وصول طلب رقمیں، اور کاروبار کے جملہ حقوق آپس میں طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کر دیے جائیں۔

۴۔ جب کوئی شرکت ختم ہو جائے تو تجارت کی وہ ذمہ داریاں (Liabilities) جو ابھی وجود میں نہیں آئیں، اور صرف وعدہ کی حد تک ہیں، مثلاً کسی سے کچھ خریدنے کا یک طرفہ وعدہ کر رکھا ہے، وہ سب ختم ہو جائیں گی۔ البتہ وہ حقوق جو کسی عقد کی بنیاد پر ثابت ہو گئے ہیں، تو ان کا پورا کرنا شرکاء کی ذمہ داری ہے۔ جیسے کوئی چیز خرید لی ہے، اور اُسکی قیمت ادا نہیں کی، تو قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔

۵۔ اگر کسی شریک کی وفات ہو جائے، یا وہ مجنون ہو جائے، تو اس کی طرف سے شرکت ختم ہو جائے گی، اور میت کے ورثاء یا مجنون کا سرپرست اس شرکت کو باقی نہیں رکھ سکتے، جب تک کہ دوسرے شرکاء راضی نہ ہوں۔ اور اُس کی شرکت ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار میں اُس کا جتنا حصہ بنتا ہو، وہ اُسکے ورثاء یا سرپرست کو دیکر فارغ کر دیا جائے۔

۶۔ اگر کاروبار میں کئی افراد شریک ہوں، اور کوئی ایک شریک خود شرکت ختم کرنا چاہے، تو اُسے یہ حق حاصل ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے

شرکاء کو شرکت ختم کرنے کی اطلاع دے۔ اس کے بغیر شرکت ختم نہیں ہوگی۔ اطلاع دینے کے بعد شرکت ختم کرنے والے شریک کا اُس وقت تک کا جتنا حصہ بنتا ہو، وہ دیکر فارغ کردیا جائے گا۔ اور وہ تجارت کے آئندہ تمام حقوق سے محروم ہوجائے گا۔ البتہ اُس کا حصہ متعین کرنے کے لئے یاتو یہ کیا جائے گا کہ کاروبار کے تمام اثاثوں میں اُس کا جو حصہ بنتا ہو، وہ اُسے دیدیا جائے، یاپھر اُسکے حصے کے اثاثوں کی قیمت لگاکر باقی شرکاء اُنہیں خریدلیں، اور اُسے نقد رقم دیدیں۔

کاروبار کے اثاثے تین قسم کے ہوسکتے ہیں

(الف) کاروبار کی ملکیت میں جو بھی مال ہو، خواہ نقدی کی صورت میں، یا سامان کی صورت میں۔

(ب) وصول طلب دیون: یعنی لوگوں کے ذمے شرکت کی جو رقمیں قرض یا کسی اور طرح واجب الاداء ہوں۔

(ج) کاروبار کے جملہ حقوق جیسے دوکان کا نام، گڈول وغیرہ۔

شرکت کے ملازمین اور کرایہ کا سامان قابل تقسیم اثاثوں میں شامل نہیں ہیں۔

۷۔ اگر کچھ شرکاء شرکت ختم کردیں تو باقی شرکاء کے درمیان شرکت جاری رہیگی، اور دوسرے افراد کے ساتھ جو معاہدے وغیرہ کاروبار کے لئے ہوئے ہیں، وہ بھی بدستور جاری رہینگے۔

مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں (Joint Stock Company)

آجکل شرکت کی ایک نئی قسم کمپنی وجود میں آئی ہے۔ اس میں بہت سے شرکاء سرمایہ جمع کر کے اُسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً دس دس روپے کے دس لاکھ حصے بنا لئے۔ پھر لوگوں کو دعوت دی کہ وہ جتنے حصے چاہیں لے لیں۔ جب اس طرح لوگ حصہ دار بن گئے، جنہیں شیئر ہولڈر کہا جاتا ہے، تو وہ ایک جمعیت کے رکن بن جاتے ہیں جو کاروبار کی بنیادی پالیسی طے کرتی ہے، اور کاروبار چلانے کے لئے بورڈ آف ڈائریکٹرز بناتی ہے، اور وہ ایک منتظم اعلیٰ مقرر کرتا ہے جو کاروبار کی عملی نگرانی کرے۔ پھر سالانہ یا ششماہی پر جو نفع ہوتا ہے، وہ ہر شئیر ہولڈر کو اُس کے حصے کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ حصہ دار براہ راست کاروبار کا کام نہیں کرتے، لیکن جمعیت عمومی کے تحت پالیسیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص شرکت سے نکلنا چاہے، تو وہ اپنا حصہ بازار حصص میں بیچ سکتا ہے، اور جو اُس کا حصہ خریدے، وہ اُسکا قائم مقام ہو جاتا ہے۔

اگر کمپنی کا کاروبار جائز ہو، تو اُسکے حصص لینا شرعاً جائز ہے۔

مضاربت

دو آدمیوں کا اس طرح شرکت کرنا کہ ایک کی طرف سے مال ہو، اور دوسرے کی طرف سے عمل، اور نفع میں دونوں طے شدہ شرح سے شریک ہوں۔ صاحب مال کو "رب المال" اور "سرمایہ کار" کہتے ہیں، جبکہ کام کرنے والے کو عامل

(Working Partner) اور مضارب بھی کہتے ہیں۔ جو مال لگایا جاتا ہے، وہ راس المال (Capital) اور سرمایہ کہلاتا ہے۔

ارکانِ مضاربت

مضاربت منعقد ہونے کے لیے ایجاب وقبول ضروری ہے۔

مضاربت کا عقد کرتے وقت اگر کوئی قید نہیں لگائی گئی، تو یہ مطلق مضاربت ہے، اور اگر مدت، مکان، تجارت کی قسم، مخصوص بائع اور خریدار کی اگر قید لگادی گئی، تو یہ "مضاربت مقیدہ" کہلائے گی، اور مضارب کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان شرائط اور قیود کی رعایت کرے جن کے تحت مضاربت کا معاہدہ کیا گیا۔

مضاربت صحیح ہونے کی شرائط

مضاربت کے صحیح ہونے کیلئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ چونکہ مضارب کاروبار میں سرمایہ کار کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے مضاربت صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ کار کسی کو وکیل بنانے کا اور مضارب وکیل بننے کا اہل ہو۔ لہٰذا نابالغ بچہ مضارب نہیں بن سکتا، نیز وہ بذات خود سرمایہ کار بھی نہیں بن سکتا، البتہ اُس کا سرپرست شرعی شرائط کے مطابق اُسکی طرف سے سرمایہ کار بن سکتا ہے۔

۲۔ سرمایہ نقدی کی شکل میں ہونا چاہئے۔ عام حالات میں سامان، زمین اور لوگوں کے ذمے قرض کو سرمایہ نہیں بنایا جاسکتا۔ البتہ اگر مضارب کو سامان دے کر یہ کہا جائے کہ یہ سامان فروخت کر دو، اور اس کی قیمت سے مضاربت کرو، اور

مضارب اسے قبول کرلے، تو مضاربت صحیح ہو جائے گی۔ اسی طرح قرض وصول کرنے کے بعد بھی مضاربت کر سکتے ہیں۔

۳۔ یہ بھی ضروری ہے کہ سرمایہ مضارب کے حوالہ کر دیا جائے، اور سرمایہ کار کاروبار میں کچھ دخل نہ دے۔ البتہ اطمینان کے لیے نگرانی کر سکتا ہے۔ اور مضارب کی اجازت سے اس کے ساتھ کام بھی کر سکتا ہے۔

۴۔ سرمایہ کی مقدار متعین کر دی جائے، اور نفع میں ہر ایک کے حصہ کی شرح مقرر کر دی جائے، اور اس میں ایسا کوئی ابہام باقی نہ رہے جو جھگڑے کا سبب بنے۔

۵۔ نفع کا حصہ مقرر کیا جائے، مثلاً چالیس فیصد، پچاس فیصد وغیرہ۔ معین مقدار مثلاً ایک ہزار روپے کسی کے لیے مقرر نہ کیے جائیں۔ کسی ایک کے لیے نفع کی مخصوص مقدار مقرر کرنے سے مضاربت فاسد ہو جائے گی۔ نیز سرمایہ کی نسبت سے بھی نفع مقرر نہ کیا جائے، یعنی سرمایہ کار یہ نہ کہے کہ جتنا سرمایہ میں نے دیا ہے، اُس کا دس فی صد میں لونگا، کیونکہ یہ سود کے حکم میں ہوگا۔

مضاربت کے کچھ احکام

۱۔ سرمائے اور کاروبار کے اثاثے مضارب کے پاس امانت ہوتے ہیں۔ اور جب تک وہ معروف طریقے سے عقد میں مذکور شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے کام کرتا رہے گا، تو وہ کسی نقصان کا ضامن نہیں ہوگا، یعنی اگر اُسکی کسی زیادتی کے بغیر سرمایہ یا کاروبار کے اثاثے ضائع ہو جائیں، تو اُن کا تاوان اُس پر نہیں آئے گا۔

۱۱۔ جب تک حساب نہ ہو جائے، اور مضاربت ختم نہ ہو جائے، مضارب نفع کا مالک نہیں ہو گا۔ البتہ مضاربت ختم ہونے سے پہلے مضارب و سرمایہ کار علی الحساب نفع میں سے کچھ باہمی رضامندی سے لے سکتے ہیں، لیکن آخر میں جب حساب ہو تو لی ہوئی رقم کو لینے والے کے حصے سے منہا کیا جائے گا۔

۱۲۔ سرمایہ کار (رب المال) مضاربت کے سرمایہ سے مضارب کی اجازت کے بغیر خرید و فروخت کرنے اور کوئی کام کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

۱۳۔ کاروبار کے سلسلے میں ہر ایسے سفر کا خرچہ جس سے مضارب رات کو گھر نہ آسکے، مضاربت میں سے پورا کیا جائے گا، مزدوروں اور ملازموں کا خرچہ بھی مضاربت میں سے نکالا جائے گا، مگر مضارب جو کچھ اپنے ہاتھ سے کرلے اس کی اجرت نہیں لے سکتا۔

۱۴۔ مضارب مطلق مضاربت میں تجارت کے وہ تمام امور انجام دے سکتا ہے جو عرفِ عام میں تاجر کرتے ہیں، اور اسکے لیے مستقل اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ سرمایہ کار کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مضاربت پر نہ مال دے سکتا ہے، اور نہ کسی اور سے شراکت کر سکتا ہے۔ اسی طرح مضاربت کے مال میں سرمایہ کار کی اجازت کے بغیر اپنا مال بھی نہیں ملا سکتا۔

۱۵۔ اگر مضارب سرمایہ کار کی طرف سے مقررہ حدود کی خلاف ورزی کرے گا اور اس میں نقصان ہو گا تو مضارب اس نقصان کا ضامن ہو گا۔

۱۶۔ مضاربت کی اگر کوئی مدت مقرر ہوئی ہے، تو مدت پوری ہونے سے مضاربت ختم ہو جائے گی، لیکن جو سامان ابھی بکا نہ ہو، اُسکے بکنے کا انتظار کیا جائیگا، یہاں

البتہ اگر اُس نے خلاف ضابطہ یا عرف ورواج کے خلاف یا مضاربت کی شرائط کے خلاف کام کیا تو وہ ضامن ہو گا، یعنی نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔

۶۔ کام کرنے کے دوران مضارب کی حیثیت رب المال کے وکیل کی ہوتی ہے، اور نفع حاصل ہونے کے بعد وہ رب المال کا شریک بن جاتا ہے، اور اگر اُسکی کسی زیادتی کے بغیر کاروبار میں نقصان ہوا، تو وہ بری ہو گا، اور سارا نقصان رب المال کو برداشت کرنا ہو گا۔ مضارب کا نقصان یہ ہے کہ اُسکی محنت بیکار چلی گئی۔

۷۔ اگر مضاربت فاسد ہو جائے تو شرعاً اُسکی حیثیت ایک اجیر (ملازم یا مزدور) کی ہو گی، اور وہ اپنے کام کے بدلے اجرت مثل کا مستحق ہو گا۔

۸۔ اور مضارب پر نقصان وضمان کی قید لگانا غیر موثر ہے۔ یعنی اگر سرمایہ کار یہ شرط لگائے کہ کاروبار میں نقصان ہوا تو اُس کا یا اُسکے کسی حصے کا بوجھ مضارب کو اٹھانا پڑے گا، تو یہ شرط لغو ہے، اس پر عمل نہیں ہو گا، لیکن اس شرط سے مضاربت فاسد نہیں ہو گی۔

۹۔ مضاربت میں نقصان ہونے کی صورت میں نقصان کو نفع سے پورا کیا جائے گا، یعنی جو نفع نقصان سے پہلے ہو چکا ہو، اُس سے نقصان کی تلافی کی جائیگی، بشرطیکہ نقصان سے پہلے مضاربت کا حساب کر کے اسے ختم نہ کر دیا گیا ہو۔

۱۰۔ مضاربت کا حساب کر کے مضاربت کو ختم کر دیا گیا اور نفع بھی تقسیم ہو گیا، پھر اس کے بعد نیا عقد مضاربت ہوا، اور اس میں نقصان ہوا تو یہ نقصان سابقہ مضاربت کے نفع سے پورا نہیں کیا جائے گا۔

تک کہ سارا سرمایہ نقدی کی صورت میں آجائے، اور نفع اور نقصان کا تعین ہو سکے۔

۱۷۔ اگر سرمایہ کار نے مضارب کو معزول کیا تو جب تک مضارب کو اس کا علم نہیں ہو گا وہ مضارب ہی رہے گا اور اسکا عمل مضاربت میں شمار ہو گا۔

۱۸۔ معزولی کا علم ہونے کے بعد مضارب کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مضاربت کے لیے کوئی چیز خریدے، البتہ اگر سرمایہ سامان کی شکل میں ہو تو اسے فروخت کر کے نقدی (Cash) میں لانا جائز ہے۔

۱۹۔ مضاربت کا حساب کر کے اسے ختم اس طرح کیا جائے گا کہ مضاربت کے تمام سامان کو فروخت کر کے رقم نقدی کی صورت میں لائی جائے گی۔ مضاربت کے جو قرض اور واجب الاداء رقم لوگوں کے ذمّہ ہے وہ وصول کی جائے گی، مضارب اور سرمایہ کار نے دورانِ مضاربت جو نفع علی الحساب (On Account) وصول کر لیا تھا اسے بھی شمار کیا جائے گا اور جب کُل سرمایہ حاصل ہو جائے گا تو اس میں سے سرمایہ کار کا سرمایہ الگ کیا جائے گا۔ بقیہ رقم نفع کہلائے گی، اور یہ نفع مضارب و سرمایہ کار میں مقررہ قرار داد کے مطابق تقسیم ہو گا۔ اگر کچھ رقم باقی نہ بچے تو مضارب کو کچھ نہیں ملے گا، اور اگر سرمایہ کار نے نفع وصول کیا تھا، وہ واپس لے کر سرمایہ میں ملایا جائے گا، اگر اصل سرمایہ پورا ہو کر کچھ رقم بچ گئی تو وہ نفع ہے، اسے تقسیم کر لیا جائے گا ورنہ مضارب کو کچھ نہیں ملے گا۔

۲۰۔ مضاربتِ فاسدہ میں تمام نفع ونقصان سرمایہ کار کے ذمہ ہوگا،اور مضارب کو اُس کے کام کے عوض اجرتِ مثل دی جائے گی۔

۲۱۔ اگر سرمایہ کار وفات پاجائے یا مجنون ہوجائے تو مضاربت ختم ہوجائے گی۔(مجلہ)

۲۲۔ اگر مضاربت ختم ہوجائے،تو مضارب تمام مالی ذمہ داریوں کو وصول کرنے کے لئے سرمایہ کار کو اپناوکیل مقرر کرے گا،یاخود وصول کرکے سرمایہ کار کو دے گا۔[1]

(۱) شرکت ومضاربت کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب شرکت ومضاربت عصر حاضر میں

مصنف کا تعارف

ڈاکٹر مولانا محمد عمران عثمانی ابن حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم جامعہ دارالعلوم کراچی سے عالیہ اور تخصص فی الافتاء کے علاوہ عصری علوم میں ایل ایل بی اور ایم فل و پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی رکھتے ہیں۔ آپ ۱۹۹۰ء سے جامعہ دارالعلوم کراچی میں درسِ نظامی کے تقریباً تمام مضامین کی تدریس کرتے رہے ہیں اور اب فقہ اور حدیث کے استاذ ہیں۔ اس کے علاوہ جامعہ دارالعلوم کے مرحلہ متوسطہ کے نگران اور حراء فاونڈیشن (اسکول و یونیورسٹی پروجیکٹ) کے بانی ڈائریکٹر بھی ہیں۔

آپ تدریس کے علاوہ ۱۹۹۷ء سے اسلامی بنکاری سے بھی وابستہ ہیں اور پاکستان میں میزان بنک کے شریعہ ایڈوائزر اور پروڈکٹ ڈویلپمنٹ اور شریعہ ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے شرعی مشیر یا شریعہ بورڈ ممبر بھی رہے ہیں، جن میں مشرقِ اوسط اور یورپ اور افریقہ کے متعدد مالیاتی ادارے شامل ہیں اس کے علاوہ بہت سے اسلامی فنڈز اور صکوک کے بھی مشیر ہیں۔

آپ ملکی وغیر ملکی بین الاقوامی کانفرنسوں میں بطور مقرر بلائے جاتے ہیں۔ آپ ملکی وغیر ملکی بہت سی جامعات میں لیکچر بھی دیتے رہے ہیں،

آپکی درج ذیل تصنیفات شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں
۲۔ فتنوں کے عروج اور قیامت کے آثار
۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
۶۔ اسلامی بنکاری کا ایک تعارف
۷۔ سود پر تاریخی فیصلہ (ترجمہ) ڈاکٹر مولانا محمد عمران اشرف عثمانی صاحب
۸۔ ارکانِ اسلام
۹۔ کتاب المعاملات
۱۰۔ کتاب العقائد، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ، کتاب الصوم، کتاب زکوۃ، کتاب الحج
۱۱۔ Meezan bank's Guide to Islamic banking
۱۲۔ Islamic Finance
۱۳۔ Islamic Names
۱۴۔ Guide To Zakah Understanding & Calculation